

اِنَّ لِلّٰهِ وَاٰلِهٖ رَاجِعُونَ

دنیا بھر میں بچوں کا سب سے مقبول المونڈ گزٹ



اگست 2014

ایسا کہاں سے آگیا کہ تمہا کہیں ہے

آبروئے صحافت مجید نقاشی
ایک تاریخ ساز عہد کا خاتمہ

287
ماہنامہ



WWW.PAKSOCIETY.COM

کلیپ کیا ہیں

رنگا رنگ سلسلے اور انعامات کی برسات

بیت 25

میرا نام ہے
اور یہ میرا پیارا پھول ہے
سے پڑھنے سے پہلے مجھے ہمیشہ خیال رہتا ہے کہ
* نماز کی ادائیگی میں دیر نہ ہو رہی ہو۔
* آج کا ہوم ورک مکمل ہو گیا ہو۔
* ابوائی نے جو کام کہے تھے وہ کر لئے ہوں

چیف ایڈیٹر: شریف محمد عظیم نقاشی
ایڈیٹر: محمد شعیب مرزا

اگست 2014ء

ہم سب کے لئے
ماہنامہ پھول
لاہور

ماہنامہ "پھول" میں شائع ہونے والی تمام
تحریریں کے حقوق محفوظ ہیں۔ کوئی تحریر بغیر اجازت
اجازت لے بغیر کسی رسالے یا کتاب میں شائع
نہیں کی جاسکتی۔

پھول کی آزاد سب سے چھپا

فوج اسٹور: سردار امیر حسین بٹ

آگسٹ ایڈیٹر: محمد شعیب قادر

پھول رنگ

عید الفطر اور جشن آزادی کی اکٹھی تیاری
لگ رہی ہیں تاہم دونوں منینیں پیاری
ایشال فیض..... ایشال فیض..... لاہور

سورق

انتساب

ان گناہم شہداء کے نام
جن کے لبہ کی خوشبو نے
آج بھی
وطن عزیز کی مٹی کو
مہکا رکھا ہے

- | | | |
|---------------------------|----------------------|----|
| ☆ ایک سنت کی خاطر | ☆ حامی ایف کوکمر | 41 |
| ☆ مسکراہٹیں | | 42 |
| ☆ کوپن | | 44 |
| ☆ نئے موسم کی عمر | ☆ سردار محمود خان | 45 |
| ☆ خطاط احمد پتانی | ☆ خورشید کوہر ظفر | 47 |
| ☆ قلم کار پرچم | ☆ علی محمد سید | 48 |
| ☆ پاکستان کی سیر | ☆ سلی احمد خان | 49 |
| ☆ اگست کے اہم واقعات | ☆ چودھری اسد اللہ | 51 |
| ☆ یہ کیسی عید ہے؟ | ☆ نور فاطمہ | 52 |
| ☆ صفحہ تاج | | 53 |
| ☆ زمانے ہیں انداز ہمارے | | 54 |
| ☆ سائنس کی دنیا | ☆ ساجد انور ملک | 56 |
| ☆ آزادی ایک نعمت | ☆ غلام مصطفیٰ سولنگی | 57 |
| ☆ پھول کتاب گھر | ☆ مدثر مرزا | 59 |
| ☆ پاکستان ہماری شان | ☆ عائشہ جمشید | 60 |
| ☆ آرٹ گیلری | | 61 |
| ☆ کتابیں پاکستان | ☆ محمد مہزیل | 62 |
| ☆ وہ ایک عہدہ | ☆ حنا زخمی | 63 |
| ☆ طلوع صبح آزادی | ☆ یاسین کنول | 65 |
| ☆ پھول انسٹیٹیوٹ | ☆ فرمان اشرف | 66 |
| ☆ پی خوشی کیسے؟ | ☆ سارا اقراء | 67 |
| ☆ اپنا وطن | ☆ قدرت جان | 67 |
| ☆ میری اگلی نظر ستاروں پر | ☆ محمد شعیب مرزا | 68 |
| ☆ زیر دست جملہ | | 70 |

- | | | |
|--------------------------|-------------------------|----|
| ☆ حمد - نعمت - کرنیں | ☆ محمد صالح | 8 |
| ☆ ادارہ | | 9 |
| ☆ گستاخان خلفائے راشدین | ☆ محمد عبداللہ | 10 |
| ☆ آیت الکرسی | ☆ محمد ناصر محمود | 11 |
| ☆ ہم سب کا پرچم | ☆ ڈاکٹر انعام الحق کوثر | 13 |
| ☆ تحفہ | ☆ نذیر انجیلوی | 15 |
| ☆ درد | ☆ ڈاکٹر زاہدہ پروین | 18 |
| ☆ اگر ہے جذبہ تعمیر زندہ | ☆ احمد ندیم کاسی | 19 |
| ☆ شہری سرزمین | ☆ شیخ عبدالحمید | 20 |
| ☆ نظمیں | | 21 |
| ☆ ہم انتساب | ☆ الطیر شیخ | 22 |
| ☆ آلوگراف | | 23 |
| ☆ خاک وطن | ☆ زبیر فاطمہ | 24 |
| ☆ قطعہ کاریاں | ☆ ظفر علی راجا | 25 |
| ☆ پاکستان کا خط | ☆ لورینڈر | 26 |
| ☆ اور اگر میں | ☆ صالحہ ارشد مہتاس | 27 |
| ☆ الفارابی | ☆ ڈاکٹر محمد ارشد | 29 |
| ☆ پاکستان کی ملی نغمہ | ☆ سعید عثمان | 30 |
| ☆ نذرانہ | ☆ عشرت جہاں | 31 |
| ☆ کہکشاں | ☆ فرح اکرم | 32 |
| ☆ چٹا رے | ☆ شانزہ | 34 |
| ☆ دیس کی مٹی | ☆ ساجدہ حنیف | 36 |
| ☆ مجید نقاشی | ☆ محمد شعیب مرزا | 37 |
| ☆ آزادی کی قدر | ☆ عظیم نقاشی | 40 |

http://www.phool.com.pk
shoalbmirza.phool@gmail.com

23- کونز روڈ 'لاہور' - پاکستان: فون نمبر 4-111-123-54036307141 UAN
36367616-36367583 فکس: 347-EXT EXT-208 الفکس: 36314099

اولیاد
سالانہ 2800/- روپے - ششماہی 1430/- روپے
امریکا آسٹریلیا کیڑوں کی دوا
سالانہ 5700/- روپے 55: ششماہی 2850/- روپے 28: دوا

قیمت شمارہ 25 روپے
ایڈیٹر محمد شعیب مرزا
سالانہ 5184/- روپے 50: ششماہی 2600/- روپے 25: دوا

پاکستان میں زیر دہری
سالانہ 7801/- روپے
ششماہی 4001/- روپے

چیف ایڈیٹر: پرنس ایڈیٹر: شریف محمد عظیم نقاشی نے
نمائے ملت پریس سے چھپوا کر
دفتر روزنامہ نوائے وقت لاہور سے شائع کیا

پیشواں پاکستان میں اپنے ہمارے ملک کو ترقی دینے کے لیے اپنی قیمتی زندگی کی قربانی کی ہے۔

نعت

حکملہ

مستند کرنی ہو جس نے بھی عقیدت اپنی
باب جبرئیل پہ رکھ آئے فضیلت اپنی
نعت ہو جائے جو توفیق خداوندی سے
اپنی ہی نظروں میں بڑھ جاتی ہے وقعت اپنی
پاؤں اکھڑے نہ بھی آپ کے پہاکی میں
خج کر کے بھی دکھائی نہیں سکتی اپنی
سنگ ریزے لب گویا نہیں رکھتے لیکن
حکم دیں وہ تو بدل لیتے ہیں فطرت اپنی
قل کرنے کوئی نکلے تو وہ فاروق بنے
ہے در شاہ دو عالم کی روایت اپنی
دوست دشمن بھی اب سائے میں آ بیٹھے ہیں
تان دی آپ نے جو چادر رحمت اپنی
جب قدم بڑھ گئے سدرہ ہے بھی آگے ان کے
ہفت افلاک کو کم پڑ گئی وسعت اپنی
مدح سرکار کبہاں اور کبہاں تو واجد
دیکھ آجپنے میں جا کر ذرا صورت اپنی
واجد امیر لاہور

یا رب گناہ گار ہوں گھبرا گیا ہوں میں
کردے معاف در پہ ترے آ گیا ہوں میں
امید کے گلاب پر آ جائے پھر بہار
بادِ سموم یاس سے مرہا گیا ہوں میں
پتاریوں سے موتی شفا یاب کر مجھے
امراض روح و جسم سے کلا گیا ہوں میں
مالک حصار ذات سے آزاد کر مجھے
حرص و ہوا کی قید سے اکٹا گیا ہوں میں
اپنے کرم سے بخش دے مجھ رو سیاہ کو
فرد عمل کو دیکھ کر چکرا گیا ہوں میں
سردار دو جہاں کی شفاعت نصیب ہو
روز جزاء کے خوف سے تھرا گیا ہوں میں
آئے خدا یہ غیب سے اک دن مجھے ریاض
اپنے پیارے رب کو پسند آ گیا ہوں میں

ریاض حسین شاہ لاہور

کونین

مسند صالح

نماز

(نماز کی شرائط اور اس کی اہمیت)

نماز کی شرائط:

نماز کی چھ شرطیں ہیں، جب تک یہ تمام شرطیں نہ پائی جائیں نماز نہیں ہوگی۔
طہارت یعنی نماز کی جسم، کپڑوں اور اس جگہ کا پاک ہونا جہاں وہ نماز پڑھ رہا ہے۔
ستر۔ یعنی بدن کے جس حصے کا پردہ فرض ہے اسے ڈھانپنا، مردوں کے لیے ناف سے
گھٹنوں کے نیچے تک چھپانا فرض ہے اور عورتوں کا صرف چہرہ، ہاتھ اور پاؤں نیچے ہو سکتے
ہیں باقی تمام جسم ڈھانپنا ضروری ہے۔ دوپٹہ اتنا باریک نہ ہو جس سے بال نظر آتے ہوں
ورنہ نماز نہیں ہوگی۔

قبلہ رخ ہونا۔

وقت کا پایا جانا، مثلاً ابھی ظہر کا وقت شروع نہیں ہوا تو اس وقت ظہر کی نماز نہیں ہوگی۔
نیت، دل میں پختہ ارادہ ہو کہ فلاں وقت کی نماز پڑھ رہا ہوں۔ زبان سے کہنا مستحب ہے۔
وضو کے فرائض:

وضو کے چار فرض ہیں اور ان کو وضو کے ارکان بھی کہا جاتا ہے۔
پورے چہرے کو دھونا، ہاتھوں کو کہیں سے دھونا، سر کے چوتھے حصے کا مسح کرنا پاؤں کو

تینوں سمیت دھونا۔

وضو کی سنتیں

وضو کی اٹھارہ سنتیں ہیں:

شروع میں نیت کرنا۔

شروع میں بسم اللہ پڑھنا۔

دولوں ہاتھوں کو کھانسیوں (گھڑی باندھنے کی جگہ) تک دھونا۔

شروع میں مسواک کرنا۔

تین بار تلی کرنا۔

تین چلو پانی کے ساتھ تین بار ناک میں پانی چڑھانا۔

اگلیوں کا خلال کرنا۔

اعضاء کو تین بار دھونا۔

کانوں کا مسح کرنا۔

اعضاء کو مسلسل دھونا (یعنی درمیان میں وقفہ نہ ہو)

ترتیب سے دھونا۔

ہاتھوں اور پاؤں کو دھوتے وقت دائیں طرف سے اور اگلیوں سے شروع کرنا۔

گردن کا مسح کرنا۔

اعضاء کو ملنا۔

روزہ نہ ہو تو اچھی طرح کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا۔

کھنٹی داڑھی کا خلال کرنا

سر کا مسح آگے سے شروع کرنا۔

امکاریه

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کروں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

پاکستان کی جدوجہد میں اپنی جانیں نچھاور کر دیں۔ ہم پر قرض ہے ان مخلص لوگوں کا جو اپنا مال و اسباب چھوڑ کر پاکستان ہجرت کر کے آئے۔ ہم پر قرض ہے ان زخموں کا جو قیام پاکستان کے لئے جدوجہد کرنے والوں کے جسموں پر لگے۔ ہم پر قرض ہے ان چھالوں کا جو پیدل ہجرت کرنے والوں کے پاؤں پر پڑے۔ ہم مختلف اداروں کے قرضوں کا ذکر کرتے ہیں اور وہ قرض ادا نہ کرنے پر تشویش کا اظہار کرتے ہیں لیکن ہم شاید اپنے ان محسنوں کے قرض کو بھول جاتے ہیں۔ قرض جتنی جلدی ادا ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے۔ ورنہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قرض کا بوجھ بڑھتا جاتا ہے اور اس کی ادائیگی مشکل ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہ قرض ہر پاکستانی شہری پر ہے۔ اس قرض کی ادائیگی کی فکر ہم سب کو کرنی چاہئے۔ اس کی پہلی صورت یہ ہے کہ پاکستان اور آزادی کی نعمت اور اس کے لئے دی جانی والی قربانیوں کی قدر کی جائے، اس کی اہمیت کو سمجھا جائے اپنی تمام صلاحیتیں پاکستان کی تعمیر و ترقی کے لئے خرچ کی جائیں، پاکستان اور اس کے مشاہیر کے خلاف نہ کبھی کوئی بات کی جائے اور نہ سنی جائے، دشمنان پاکستان کی سازشوں کا اور اک کیا جائے اور ان سے بچنے کے لئے حکمت عملی اختیار کر عملی کوشش کی جائے۔ ماں باپ اپنے بچوں اور اساتذہ اپنے طالب علموں کو روزانہ دو چار منٹ کے لئے پاکستان کی اہمیت سے آگاہ کریں ان میں جذبہ حب الوطنی اجاگر کریں۔ لیڈروں کے انتخاب میں نہایت سمجھداری کا مظاہرہ کریں۔ پاکستان کے خلاف مذاق میں بھی بات نہ کریں۔ دوستوں کے گروپ بنائیں جو پاکستان کی بہتری کے لئے سوچیں اور عملی کام کریں۔

آئیے! اس یوم آزادی سے ہم اپنے محسنوں کا قرض اتارنا شروع کریں ورنہ وقت گزرنے کے ساتھ قرض کا بوجھ بڑھتا جاتا ہے اور اس کی ادائیگی مشکل تر ہوتی جاتی ہے۔ ہم پہلے ہی بہت تاخیر کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے چاہا تو پھر ملیں گے۔

محمد شعیب مرزا

آپ کے ایڈیٹر بھیا

قیام پاکستان سے اب تک ہمارے پیارے وطن نے بہت ترقی کی ہے۔ ترقی کی تفصیل میں جانیں گے تو بات طویل ہو جائے گی۔ البتہ ترقی کے ثمرات ہر شہری تک یکساں نہیں پہنچے۔ کچھ لوگ بہت امیر ہو گئے ہیں اور کچھ غریب رہ گئے ہیں یعنی وسائل کی منصفانہ اور یکساں تقسیم نہیں ہوئی۔ ہم بہت سنتے ہیں کہ پاکستان اتنے ارب ڈالر کا مقروض ہے۔ عالمی مالیاتی ادارے اپنی شرائط پر قرض دیتے ہیں اور بعض اوقات وہ شرائط ملکی وقوی مفاد کے خلاف بھی ہوتی ہیں۔ لیکن حکمران کبھی مجبوری کے تحت اور کبھی اپنے مفاد کے لئے قرضے لے کر ملک و قوم کو مقروض کر دیتے ہیں اور قرض کا بوجھ بڑھاتے رہتے ہیں۔

آپ نے اکثر سنا ہوگا کہ ہر شہری پر اسے ڈالر کا قرض ہے۔ اس پر مختلف طبقے اور افراد تشویش کا اظہار کرتے ہیں۔ قرض دینے والے دوست اور مخلص ملک اور ادارے بھی ہوتے ہیں جو واقعی ہماری بہتری اور ترقی کے لئے ہمیں قرض دیتے ہیں۔ قرض جہاں سے اور جس سے بھی لیا جائے اس کی ادائیگی ضروری ہے۔ اگر ہم قرض ادا نہیں کریں گے تو وہ قرض بڑھتا چلا جائے گا۔ ہم پر اس کے بوجھ میں اضافہ ہوتا جائے گا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی ادائیگی ہمارے لئے مشکل ہوتی چلی جائے گی۔ ہمارے دین نے بھی قرض کی ادائیگی پر بہت زور دیا ہے۔

آپ نے کئی مالیاتی اداروں کے نام سنے ہوں گے۔ ورلڈ بینک، آئی ایم ایف، ایشیائی ترقیاتی بینک وغیرہ وغیرہ۔ ان کے علاوہ سعودی عرب، چین اور دیگر دوست ممالک بھی ہمیں قرضہ دیتے رہتے ہیں۔ لیکن روپوں اور ڈالروں کے علاوہ بھی ہم پر کچھ قرض ہیں۔ جن کے ہم پر قرض ہیں شاید ہم ان کے نام نہ جانتے ہوں لیکن ان کا قرض ادا کرنا ہم پر قرض ہے۔ ہم پر قرض ہے ان معصوم بچوں کا جو حصول پاکستان کی جدوجہد میں نیزوں میں پر دیئے گئے۔ ہم پر قرض ہے ان بہنوں کا جن کی عصمتیں پامال کی گئیں یا انہیں اپنی عزت بچانے کے لئے کنوؤں میں چلا گئیں لگانا پڑیں۔ ہم پر قرض ہے ان بوڑھے والدین کا جن کے جوان بچے نہ بچ کر دیئے گئے۔ ہم پر قرض ہے ان نوجوانوں کا جنہوں نے حصول



جھوٹ اور غیبت

کے نقصانات

نقصانات جھوٹ:

جھوٹ کی مذمت میں قرآن حکیم اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات ایک مسلمان کو سمجھانے کے لئے کافی ہیں۔ جھوٹ کے بے شمار نقصانات میں سے چند نقصانات درج ذیل ہیں:

- ☆ جھوٹے بارگاہ اور اس کے رسول ﷺ کی لعنت ہے۔
- ☆ جھوٹ باعث ہلاکت دنیا و آخرت ہے۔
- ☆ جھوٹ بولنے والا فاسق ہے اور متواتر فاسق کی گواہی قبول نہیں۔
- ☆ جھوٹ منافقت کی راہ پر لے جاتا ہے۔
- ☆ جھوٹ گناہوں کی ابتدا اور جہنم ہے۔
- ☆ جھوٹ بولنے والا دنیا میں بے اعتبار اور مذاق بن جاتا ہے۔

آج کل ہنسے اور ہنسانے کے لئے جھوٹ بولنا تو عام بات ہے بلکہ موبائل پر بغیر تصدیق کے جھوٹے پیغام (SMS) بھیجا بھی عام ہو گیا ہے۔ حتیٰ کہ خبر صادقہ سیدہ الصادقین حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی بلا تردد جھوٹ بول دیا جاتا ہے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خدا تعالیٰ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے والے کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں جھوٹ بولنے سے بچائے، آمین!

نقصانات غیبت:

ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کرنے کو مردار گدھے کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے۔ چند نقصانات غیبت یہ ہیں:

- ☆ غیبت کرنے سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہوتی ہے۔
- ☆ یہ حقوق العباد کے خلاف اس کی معافی نہیں ہوگی۔
- ☆ غیبت کرنے والا دنیا میں ذلیل ہو جاتا ہے، ہر کوئی اس سے دور بھاگتا ہے۔
- ☆ غیبت سے برائی کی خبر عام ہوتی ہے جس سے برائی بڑھنے کا اندیشہ ہے۔
- ☆ غیبت سے ہر صاحب اسلام کو بچنا چاہیے، لیکن ذیل صورت کو غیبت نہیں کہا جائے گا اگر نیت سچ ہے۔
- ☆ کسی کو برائی کے مرتکب کی اصلاح کے لئے بتانا۔
- ☆ گواہی یا فتویٰ کی غرض سے بیان کرنا۔
- ☆ ظالم کے ظلم کو بیان کرنا۔
- ☆ دوسرے لوگوں کو شر اور دھوکے سے محفوظ کرنے کے لئے بیان کرنا۔

محمد عبداللہ گل۔ علی پور



سیدنا عثمان غنیؓ کے گستاخ

کی عبرتناک موت

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش شروع ہوئی تو ایک دن جب حضرت عثمانؓ مسجد نبوی ﷺ میں خطبہ دے رہے تھے تو ایک شخص غفاری اٹھا اور آپ کا عصا جو خطبہ کے دوران آپ نے پکڑ رکھا تھا، آپ سے چھینا اور سب کے سامنے انتہائی توہین آمیز انداز میں اپنے گھٹنے پر رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اللہ کی شان ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ اس کا گھٹنا ناکارہ ہو گیا اور اسی تکلیف میں بالآخر مر گیا۔ (بحوالہ "سنن سعید بن مسکن")

سیدنا ابوبکر و عمرؓ عنہم کے گستاخ

کا عبرتناک انجام!

امام مستغفری فرماتے ہیں کہ تین آدمی یمن جا رہے تھے۔ ہمارے ساتھ ایک شخص کوفہ کا تھا، وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو (نعوذ باللہ) بُرا بھلا کہا کرتا تھا۔ ہم ہر چند اسے سمجھاتے کہ شاید وہ ہدایت پا جائے لیکن وہ باز نہ آتا تھا، آخر ہم اس سے بے راز ہو گئے اور اس سے کلام چھوڑ دیا۔ ہم یمن کے نزدیک پہنچے تو ایک جگہ سرائے میں ٹھہرے اور نیند کی آغوش میں چلے گئے۔ صبح جب کوچ کا وقت

گستاخانِ خلفائے راشدین رضی

کا عبرتناک انجام

سیدنا علی المرتضیٰؓ کو گالی دینے والے کی عبرتناک موت!

حضرت قیسؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک مجمع میں، جس میں حضرت سعدؓ بھی موجود تھے، حضرت علیؓ کو (نعوذ باللہ) گالیاں دینی شروع کر دیں، حضرت سعدؓ نے اس کے بدلتہ بیانہ انداز کو دیکھ کر دعا مانگی: "یا اللہ! یہ شخص آپ کے ولی کو گالیاں دے رہا ہے اس مجمع کے منتشر ہونے سے پہلے ہی آپ اپنی قدرت دکھا دیجئے۔" قیسؓ کہتے ہیں کہ بخدا ہم وہاں سے اٹھے بھی نہ تھے کہ اس کی سواری (اونٹ) نے اسے کھوپڑی سے پکڑ کر زمین پر دے مارا حتیٰ کہ اس کا بھیجا پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔ (بحوالہ "متدرک حاکم")

☆☆☆

آیا تو ہم سب نے اٹھ کر وضو کیا۔ اسی اثناء میں وہ جاگا تو ہمیں دیکھ کر کہنے لگا، افسوس میں تم سے جدا ہو کر اسی منزل میں رہ جاؤں گا۔ ابھی میں نے نبی پاک ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ میرے سر ہانے کھڑے فرما رہے ہیں کہ اے فاسق! تو اس منزل میں مسخ ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر رونے لگا پھر اس نے اپنے پاؤں سینے تو ہم نے دیکھا کہ اٹھکھک سے اس کا مسخ ہونا شروع ہوا اور اس کے دونوں پاؤں بندر کی طرح ہو گئے۔ اس کے بعد گھٹنوں تک پھر کمر تک، پھر سینے، پھر سر اور پھر منہ، تک مسخ پہنچا اور وہ بالکل بندر بن گیا۔ ہم نے استغفار کرتے ہوئے اس کو پکڑ کر اونٹ پر باندھ لیا اور وہاں سے روانہ ہوئے۔ غروب آفتاب کے وقت ایک جنگل میں پہنچے تو دیکھا وہاں کچھ بندر جمع تھے اس نے جب انہیں دیکھا تو رسی توڑ کر ان میں جا ملا۔ (بحوالہ "دلائل النبوت")



پاکستان میں بسنے والی اوقات کے لئے غور کرو

آزادی کی کتنی قیمت لی تھی پہرے داروں نے پھول



محمد ناصر محمد اویسی



سنائی جس پر ہیڈ ماسٹر صاحب نے شاباش اور پورے دس روپے انعام میں دیے تھے۔ اس بہت افزائی نے اسے دوسروں سے آگے بڑھنے کی راہ دکھادی اور وہ واقعی میٹرک تک اپنی جماعت میں ہمیشہ پہلے نمبر پر رہا۔ پھر..... تلخ ماضی کی یاد نے اس کے طلق کو کڑوا کر دیا۔ میٹرک تک سب ٹھیک تھا، پھر اس کی جیسے تو کائنات ہی بدل گئی۔ باپ بھروسے کے نشے میں لگ کر گھبرا کر تو اجازت ہی تھا لیکن ظلم و ستم اور بد اخلاقی سے اس کی ماں کو بھی قبر میں پہنچا دیا۔ ماں کے مرنے کے بعد وہ باپ اور گھر دونوں کو چھوڑ کر کراچی بھاگ گیا تھا اور زمانے کی

گلی ختم ہو چکی تھی اور دائیں طرف مڑتے ہی پہلا گھر اس کی منزل تھی۔ یہ ایک اوسط درجے کا گھر تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے مکان کے سامنے سے گزر گیا، لیکن اس نے اپنی گہری نظر اور پیشہ ورانہ مہارت سے اندازہ لگا لیا تھا کہ مکان میں داخل ہونا اور واردات کے بعد نکلنا کچھ مشکل نہیں ہوگا۔ تاہم اس کا یہ اصول تھا کہ وہ خود ٹارگٹ کا جائزہ لیتا اور اپنی ذہانت سے بے دریغ منصوبہ بندی کرتا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہر بار پولیس کو جل دینے میں کامیاب جاتا اور ابھی تک آزدنشا میں گھوم رہا تھا۔

تسلی کے بعد واپس پلٹنے کی بجائے وہ سیدھا چلا گیا اور پھر دوسری گلی میں گھوم گیا لیکن گلی مڑتے ہی "اللہ لا الہ الا هو" "الْحَيُّ الْقَيُّومُ" کے الفاظ نے اسے چونکنے پر مجبور کر دیا تھا، اس نے پلٹ کر آواز کی سمت دیکھا، کسی قریبی در سے سے بچے چمٹی کے بعد گھروں کو بھاگ رہے تھے، ان میں سے ایک بچہ بلند آواز سے اپنا سبق دھرا رہا تھا۔ وہ ہمیشہ آیت الکرسی سے ایک خاص تعلق محسوس کرتا

وہ آیت الکرسی پڑھنا بھول گیا تھا مگر.....

آیت الکرسی کا انعام

آنکھ کھل گئی۔ انہوں نے کروٹ بدلی اور پھر سو گئے کہ شاید ان کی بیگم ہاتھ روم گئی ہوں گی، لیکن جب کافی دیر تک یہی آوازیں آتی رہیں تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئے، ان کی بیگم بھی سہمہ کے ساتھ اپنے بستر پر تھی اور موسیٰ اور عبدالواسع بھی سو رہے تھے۔ انہیں یاد آیا کہ جب وہ سونے لگے تھے تو بجلی بند تھی، شاید بیگم نے پانی ختم ہونے پر پمپ چلا دیا ہو اور اب بجلی آنے پر پمپ چل پڑا ہو۔ انہوں نے بیگم کو اٹھانے کی بجائے خود ہی پمپ اور پانی کا ٹل بند کرنے کا فیصلہ کیا اور جوتے پہن کر بیڈ روم سیلاؤنچ میں آئے اور لاؤنچ کا کارڈوازہ کھول دیا۔ لیکن ان کو دروازہ کھولنا انتہائی مشکل پڑا تھا، کاشی نے بڑی مہارت سے پستول ان کی کپٹی برتان لیا تھا۔ کاشی ساتھیوں نے شیخ ندیم کو بیڈ روم میں رکھی ایک کرسی پر بٹھا کر ہانڈ دیا۔

شیخ ندیم کی آنکھوں میں خوف، دہشت اور درد کے آثار واضح تھے لیکن صورت حال سمجھتے ہوئے انہوں نے خود پر قابو پا لیا۔

"دیکھو! میں سب کچھ تمہیں دے دوں گا لیکن میرے بیوی بچوں کو کوئی نقصان نہ پہنچانا۔"

ٹھوکر کس کھاتے کھاتے جرائم پیشہ لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ اب وہ کاشف شہزاد سے کاشی گینگ کے سرغنہ کاشی ذکیت کے نام سے جانا جاتا تھا اور آج کی رات اس کا ٹارگٹ شیخ ندیم تھا۔

سردیوں کی طویل رات آدمی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ کاشی گینگ کے چار نقاب پوش شیخ ندیم کے مکان کی بیرونی دیوار پھلانگ کر مکان کے صحن میں کھڑے تھے جہاں لاؤنچ کا کھٹا دروازہ اور بیڈ روم کی کھڑکی کھلی تھی۔ کاشی نے اپنے ساتھیوں کو حائط ہونے کا اشارہ کیا۔

شیخ ندیم احمد اپنے بیڈ روم میں اپنی بیوی اور تین بچوں پانچ سالہ موسیٰ، تین سالہ عبدالواسع اور چھ ماہ کی سہمہ کے ساتھ گہری نیند سو رہے تھے کہ صحن میں لگے ٹل سے پانی گرنے اور موٹر پمپ کے چلنے کی آواز سے ان کی

تھا، شاید اس لیے کہ بچپن کی کئی یادیں اس کے ساتھ وابستہ تھیں۔ اس کی ماں نے گود میں بٹھا کر بڑی محبت سے اسے آیت الکرسی یاد کرائی تھی اور بتایا تھا کہ اسے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ انسان کی حفاظت کرتا ہے۔ اسے اپنی ماں سے بڑی محبت تھی اور ماں بھی اسے ٹوٹ کر چاہتی تھی۔ ابھی تک وہ قرآن کے ان الفاظ کے ساتھ جڑا اپنی ماں کا لمس اور اس لمس کی مناس اپنے اندر تک محسوس کرتا تھا۔ اسے آیت الکرسی سے جڑا بچپن کا ایک اور واقعہ یاد آیا تو بے ساختہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ تیسری جماعت میں تھا جب ایک دن سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب اس کی جماعت میں آئے اور امتحان کی غرض سے بچوں سے آیت الکرسی سناتے کو کہا۔ پوری جماعت میں وہ واحد بچہ تھا جس نے آیت الکرسی





پاکستان کے لیے توفیق کی قسم



جماعت میں ہیڈ ماسٹر صاحب کے سامنے انعام کا ٹھکر۔ موسیٰ نے آیت الکرسی کی تلاوت ختم کی تو کاشی کی آنکھیں جانے کیوں جل رہی تھیں۔ اسے محسوس ہوا آج ماں کے الفاظ کی لاج رکھنے اور ہیڈ ماسٹر صاحب کا احسان چکانے کا وقت آ پہنچا ہے۔ غیر شعوری طور پر اس کا ہاتھ جیب میں رینگ گیا اس نے ہزار روپے کا نوٹ نکالا اور موسیٰ کی طرف بڑھا دیا۔

شاباش! اسے ہمیشہ یاد رکھنا، یہ تمہارا انعام ہے، تمہارا باپ نے سچ کہا تھا اور میری ماں نے بھی۔

پھر کاشی شیخ ندیم کی طرف مڑا:

”ہم تمہارا مال چھوڑ کے جا رہے ہیں، جنہیں آیت الکرسی نے بچا لیا ہے۔“

اس نے اپنے ساتھیوں کو نکلنے کا اشارہ کیا اور وہ شیخ ندیم اس کی بیوی اور موسیٰ کو حیرت کے جیسے بنے چھوڑ کر اندھیرے میں غائب ہو گئے۔

☆☆☆

قرآن پاک

سیدمی	راہ	دکھائے	ہم	کو
بدراہی	سے	بچائے	ہم	کو
قاری	اس	کا	پائے	بھلائی
صدق	کی	جانب	راہنمائی	
سچا	عبد	بنائے	ہم	کو
سیدمی	راہ	پہ	چلائے	ہم
مگر	چینے	کا	بتائے	ہم
کرد	حلاوت	فرحت	پاؤ	
پڑھ	کر	سیدھے	جنت	جاؤ
قرب	حق	دلایے	ہم	کو
سیدمی	راہ	دکھائے	ہم	کو
احسن	اکمل	بیارا	بیارا	
حشر	میں	ہو	گا	خاص
ایچھے	طور	سکھائے	ہم	کو
مگر	چینے	کے	سکھائے	ہم

شہر یار احمد - گوجرانوالہ

کے چہرے پر رکشک کے آثار واضح تھے۔

”باہا! آپ تو کہتے تھے کہ اگر رات کو سونے سے پہلے آیت الکرسی پڑھ لیں تو اللہ ہماری حفاظت کرتے ہیں؟ موسیٰ آخر پھٹ پڑا۔

اور کاشی، موسیٰ کے الفاظ سے چونک اٹھا تھا۔ ایک نقاب پوش نے آگے بڑھ کر موسیٰ کو چپ کرانا چاہا لیکن کاشی نے اسے اشارے سے منع کر دیا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے یہ الفاظ موسیٰ نے نہیں بلکہ اس کی ماں نے کہے ہوں، اس کی ماں بھی یہی کہا کرتی تھی اور اب وہ ماں کے ان الفاظ کی سچائی کو پرکھنا چاہتا تھا۔

لہذا وہ موسیٰ کے باپ کے جواب کا دلچسپی سے منتظر تھا۔

”ہاں بیٹا، لیکن رات کو میں آیت الکرسی پڑھنا بھول گیا تھا۔ شیخ ندیم کا لہجہ حسرت و عداوت سے لبریز تھا۔

شیخ ندیم خود بھی باشرع انسان تھے اور ان کی کوشش رہی تھی کہ بچوں کی بھی اسلامی تربیت کریں۔ وہ روزانہ عشاء کی نماز کے بعد فضائل اعمال کی باقاعدگی سے تعلیم کراتے اور بیوی بچوں سے سونے کے آداب کا ذکر بھی کرتے۔ ان کا معمول تھا کہ سونے سے پہلے وہ خود بھی پڑھتے اور بچوں سے بھی سنتے۔ لیکن اس دن وہ ایک دور دراز کے شہر میں کاروباری سلسلے کے لئے گئے تھے اور واپسی رات کو کافی دیر سے ہوئی تھی، بچے سو چکے تھے اور وہ بھی سفر سے تھک چکے تھے، کھانا وہ راستے میں ہی کھا چکے تھے لہذا بستر پر گرتے ہی تھکاوٹ اور نیند کے غلبہ میں انہوں نے ابھی بمشکل سونیکے دعائی پڑھی تھی کہ گہری نیند میں کھو گئے اور آیت الکرسی پڑھنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔

”لیکن باہا! میں نے تو پڑھی تھی؟“

کاشی نے غور سے موسیٰ کی طرف دیکھا، پانچ سال کا گول منول سا معصوم صورت بچہ، اسے یقین نہ آیا کہ یہ بچہ اس کے بچپن سے آگے نکل سکتا ہے۔

”تجسس آیت الکرسی یاد بھی ہے؟ کاشی کا انداز استہزائیہ تھا۔

موسیٰ اس کا جواب دینے کی بجائے شروع ہو گیا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَتُوبُ اِلَیْکَ وَ اَسْتَغْفِرُکَ

اور کاشی اپنے گال پر ماں کے لمس کا احساس اور اس لمس کی مناس کو اپنی روح میں اترتا ہوا محسوس کرنے لگا۔ اسے ایسا لگا جیسے وہ ماں کی گود میں ہو یا تیسری

وہ ذہنی طور پر اپنی اور خاندان کی عزت و آبرو اور جان کی سلامتی کے بدلے اپنا سب کچھ قربان کرنے پر تیار ہو چکے تھے۔

ان کی بیوی بڑ بڑا کر اٹھ بیٹھی، وہ ایک سمجھ دار خاتون تھی، اس نے فوراً صورت حال بھانپ لی اور چیخنے کی بجائے اپنی شال سے نقاب کیا اور خاموشی سے بستر پر بیٹھ گئی۔ کاشی نے سوچ بچوڑے سے کچھ منہ دبائے اور کمرہ تیز روشنی میں نہا گیا۔ اس کھنکھارے موسیٰ بھی بیدار ہو گیا تھا۔

”باہا!“

موسیٰ کی چیخ کو ایک نقاب پوش نے منہ پہ ہاتھ رکھ کر روک دیا۔

”چپ چاپ بیٹھے رہو، آواز مت نکالنا“ نقاب پوش نے اسے پستول سے مارنے کے اشارے سے دھمکایا۔

غیر وار! کوئی بھی غلط حرکت نہ کرے ورنہ سب کو بھون دوں گا۔ اپنے موبائل فون اور چابیاں ہمارے حوالے کر دو۔“ کاشی نے شیخ ندیم کی بیوی کو حکم دیا۔

شیخ ندیم نے اپنی بیوی کو قہقہے کا اشارہ کیا تو اس نے دروازے سے چابیاں نکال کر تین موبائل فون نکال کر بیڈ پر رکھ دیے۔ کاشی نے اپنے دو ساتھیوں کو اشارہ کیا جنہوں نے پھر پرتی سے چابیاں اٹھائیں اور گھر کی الماریاں کھولنے میں مصروف ہو گئے۔ کاشی اور اس کا ساتھی اہل خانہ کو اسلحہ کی زد پر رکھے کھڑے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں انہوں نے گھر میں موجود تمام قیمتی اشیاء، نقدی، زیورات وغیرہ لاکر بیڈ پر ڈھیر کر دیے۔ سائیڈ ٹیبل کے دروازے انہوں نے شیخ ندیم کا منہ بھی نکال لیا تھا۔ یہ مال ڈاکوؤں کی توقع سے کچھ زیادہ ہی تھا اس لیے وہ مطمئن ہو گئے تھے۔

”گاڑی کی چابی کہاں ہے؟“

کاشی نے شیخ ندیم کی ٹھوڑی کو پستول کی نال سے اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ یہ شکار کو مزید دہشت زدہ کرنے کا اس کا خاص انداز تھا۔

وہ۔۔۔ وہ میرے کوٹ کی جیب میں ہو گی شیخ ندیم نے کھوتی پر لٹکے ہوئے اپنے کوٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کاشی نے تیزی سے کوٹ کی جیب سے گاڑی کی چابی نکالی اور ساتھیوں کو مال سینے کا اشارہ کیا۔ شیخ ندیم کا چہرہ بے بسی اور حسرت کی تصویر بن گیا۔ انہوں نے بچوں کے اصرار پر نئی ہی گاڑی لی تھی اور بچوں کو اس سے بڑی محبت تھی۔ انہوں نے موسیٰ کی طرف دیکھا جس



پاکستان میں بسنے والے اور حق پر مطلق غور کرو
آزادی کی کتنی قیمت کی تھی پہرے داروں نے



مسلمانان عالم میں اتحاد و یکجہتی کی ضرورت

ہم سب کا پاکستان

ڈاکٹر انیسام بیگم

ایک جھنڈے کے تلے جس روز ملت آئے گی
ساری دنیا اس کے آگے خود بخود جھک جائے گی
(ظفر علی خاں)

اگر ہم دنیا کے موجودہ حالات پر نظر ڈالیں تو یہ چلتا ہے
کہ ملت مسلم یا امت واحدہ یا ملت واحدہ یا امت وسط
(ملت عربی زبان کا لفظ بمعنی مذہب یا شریعت، جمع مل،
اصطلاح میں ہر وہ جماعت ملت کہلاتی ہے جس کے
افراد میں کسی طرح کا کوئی رابطہ یا اشتراک ہو۔ یہاں
لفظ ملت سے مراد وہ سب مسلمان ہیں جو اس دنیا میں
ہستے ہیں۔ چونکہ وہ باری تعالیٰ کو اپنا معبود اور محمد (ﷺ)
کو اپنا رسول مانتے ہیں اس لئے انہیں ان ناموں کے
علاوہ ملت اسلامیہ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے) کے
خلاف عالمی فکری سازشیں گہری، متحدہ اور وسعت پذیر
ہیں۔

اسلام دشمن طاقتیں کہیں کشمیر، بوسنیا، فلسطین، عراق،
افغانستان، چیچنیا میں ظلم و ستم روا رکھے ہوئے اور کہیں
ہامی مسجد شہید کر کے، کہیں حضرت بل پر قبضہ کر کے،
کہیں قبلہ اول پر قبضہ کر کے اور کہیں مشہد میں دھماکے
کر کے مسلمانان عالم کو پے درپے حملوں سے نحیف و
نزار کر رہی ہیں۔

ان محسوس، دلدوز اور دسوز حالات کا مقابلہ کرنے کے
لئے امت مسلمہ میں اتحاد، اتفاق، یکجہت، نظم و ضبط اور
یکجہتی کی اشد ضرورت ہے۔

ہر وہ انسان جو کہ طیبہ لالہ الہ اللہ محمد رسول اللہ (ﷺ)

کا اقرار کرتا ہے وہ مسلمانوں کی برادری میں شامل ہو جاتا
ہے۔ خواہ وہ عرب کا بدو ہو یا تاتار کا چرواہا، خواہ وہ
مصری ہو یا تاجیک یا کاشغری، خواہ اشیول کا تعلیم یافتہ
ترک یا پاکستانی یا ہندوستانی ہو۔

ان کا عقیدہ ایک یعنی اللہ ایک، رسول اللہ (ﷺ) ایک اور
کتاب (قرآن مجید) ایک۔ اسے یوں بھی سمجھ سکتے ہیں
کہ تمام عالم اسلام ایک وسیع و عریض گھر ہے اور یہ
اسلامی ممالک اس گھر کے مختلف کمروں کی صورت رکھتے
ہیں۔

قرآن پاک میں متعدد مقامات پر مسلمانوں کو اتحاد،
اخوت اور یکجہتی کا درس دیا گیا ہے جیسے
"مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ لہذا اپنے
بھائیوں کے درمیان تعلقات درست کرو اور اللہ سے
ڈرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔"

(سورۃ الحجرات آیت 10)

"اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور
آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا
ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکڑ جائے گی۔ مبر سے کام لو
یقیناً اللہ مبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" (سورۃ

انفال، آیت 46)

"اللہ کی رسی (مراد اس کا دین) کو مضبوطی سے تھامے
رہو اور باہم نا اتفاقی نہ کرو۔" (سورۃ آل عمران
آیت 103)

"فلاح و بہبود اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے
کے ساتھ تعاون کرو لیکن ظلم و زیادتی کے لئے کسی کا ساتھ
نہ دو۔" (سورۃ المائدہ آیت 2)

امام الانبیاء خاتم النبیین، رحمۃ اللعالمین حضور پاک سرور
کائنات (ﷺ) نے آخری حج کے موقع پر عالمی
اہمیت کا جو اعلان فرمایا ان میں سے ایک یہ بھی تھا۔

اے انسانو! تم سب کا رب ایک ہے، تم سب کا باپ
ایک ہے۔ نہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت ہے نہ کسی عجمی کو
عربی پر، نہ کسی گورے کو کالے پر برتری ہے، نہ کالے کو
گورے پر، اگر فضیلت ہے تو تقویٰ کی بنیاد پر۔

اتحاد و یکجہت کا اسلامی تصور ارکان پنجگانہ کے ناظر اس
کا عملی مظاہرہ بھی پیش کرتا ہے۔

کلمہ طیبہ ان سب ارکان کے لئے ایک مرکزی کردار کا
مالک ہے۔ خدا کی وحدانیت پر یقین اور حضرت محمد
مصطفیٰ (ﷺ) کو اللہ تعالیٰ کا رسول ماننا اور حقیقت



پاکستان میں رہنے والوں اور امت اسلام کا وجود اور اتحادی میں

آزادی کی کتنی قیمت لی تھی پیرے داروں نے

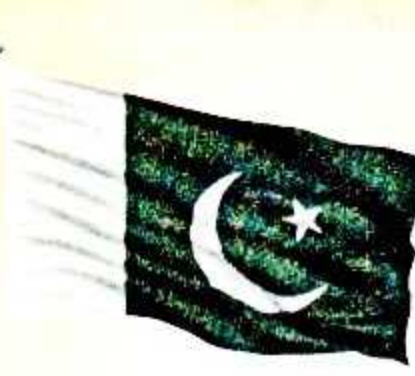
پاکستان میں رہنے والوں اور امت اسلام کا وجود اور اتحادی میں

آزادی کی کتنی قیمت لی تھی پیرے داروں نے

پاکستان میں رہنے والوں اور امت اسلام کا وجود اور اتحادی میں

آزادی کی کتنی قیمت لی تھی پیرے داروں نے

پاکستان میں رہنے والوں اور امت اسلام کا وجود اور اتحادی میں



پرچم پاکستان کا

جرات	کا	ایمان	کا
جذبہ	عالی	شان	کا
ملت	کے	ارمان	کا
مسلم	کی	پہچان	کا
پرچم	پاکستان		کا
اس کے دم سے دیس کی شان			
پہناں اس میں دیس کی جان			
عقمت ہے اس کی پہچان			
بدلے رخ طوفان کا			
پرچم پاکستان کا			
اس میں جھگ، چاند ستارا			
ہم کو اپنی جان سے پیارا			
اس پر ہے اللہ کی رحمت			
سایہ ہے قرآن کا			
پرچم پاکستان کا			
بچہ اب تم قدم بڑھاؤ			
ہاتھوں میں پرچم لہراؤ			
دنیا بھر میں گونجے گا			
نعرہ پاکستان کا			
پرچم پاکستان کا			

ضیاء اللہ محسن

ٹھونسنے سے پرہیز) کا خاتمہ کرنا۔

6- مصیبت پرستی کو پس پشت ڈال کر ملت واحدہ کی یکجہتی کے تقاضوں کو پورا کرنا۔

7- محارب فرقوں / افراد کے مابین صلح کے اقدامات کرنا۔

8- نیکی کی دعوت اور برائی کی ممانعت کرنا۔

9- ملت کی یکجہتی اور اتفاق کے طریقوں جیسے نسلی اتحاد، اقتصادی اتحادی، دفاعی اتحاد، تعلیمی اتحاد، سیاسی اتحاد، عقیدہ کا اتحاد (توحید، رسالت، آخرت، پانچ ارکان) عمل کا اتحاد، قیادت کا اتحاد قرآن و سنت سے رہبری، اسلامی ثقافت کا اتحاد (کو اپنانا)۔

10- انسانی جان کی قدر و قیمت کا احساس پیدا کرنا۔

11- عدل، احسان اور حقوق العباد کی مکمل ادائیگی پر زور دینا۔

12- ہر شخص کی بنیادی ضروریات و عمری (غذا، لباس، مکان، علاج، تعلیم) کا اہتمام کرنا۔

مختصر اگر مسلمانان عالم نے قرآنی تعلیمات کو اپنا لیا، سیرت النبی (ﷺ) کو اپنا بنالیا اور باہمی جھڑپوں کو بالائے طاق رکھ دیا تو اتحاد، اتفاق اور یکجہتی کے سچے اور سچے جذبوں کی فراوانی ہوگی اور امت اسلام کا مستقبل شاندار ہوگا۔

فرد قائم رہا ملت ہے سے تنہا کچھ نہیں

موج ہے دریا میں اور پیردن دریا کچھ نہیں

☆☆☆☆

باہمی اتحاد

باہمی جھڑپوں سے بچو (اگر جھڑپے تو) پست ہمت ہو جاؤ گے اور جہاں ہوا اکٹڑ جائے گی۔ (سورۃ انفال، 46)

حضور اکرم (ﷺ) کا ارشاد پاک ہے۔

باہمی محبت و الفت کے لحاظ سے مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں۔ اگر جسم کے کسی حصے میں تکلیف ہوتی ہے تو اس کا اثر سارے بدن پر پڑتا ہے۔

مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ (سورۃ الحجرات، 10)

حضور اکرم (ﷺ) کا ارشاد پاک ہے۔

”اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ۔“

اسلامی اتحاد کی بنیاد کلمہ توحید ہے۔ ہمارا رب رسول (ﷺ)، کعبہ اور قرآن پاک ایک ہے۔

مقصد حیات ایک ہے، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سب اتحاد کو مضبوط کرنے والے ارکان ہیں۔ لہذا ہم سب کو اس پر کاربند رہنا چاہیے۔

☆☆☆☆

اسلام کی بنا ہے۔ امت اسلام کا وجود اور اتحادی میں پوشیدہ ہے۔

علامہ اقبالؒ نے بالکل درست کہا ہے کہ اسلام نے عبادات کو اجتماعی شکل دے کر روحانی تجلیات میں بھی اجتماعی شان پیدا کر دی ہے۔ علامہ اقبالؒ ملت مسلمہ کے لئے شہد کی تشبیہ لاتے ہیں۔ گویا مختلف پھولوں سے اخذ کئے ہوئے، رس کے قطرے جب بھرتے (لانہ) تک چکچکے ہیں تو اپنی ابتدائی نسبتوں سے پاک ہو کر ایک نئی وحدت، نئی لذت اور نئی خوشبو میں ڈھل جاتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ کہتے ہیں۔

ہتان رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا

نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی

یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی وہ تورانی

تو اسے شرمندہ ساحل اچھل کر بے کراں ہو جا

اسلام نے انسانی اعمال و افعال اور اتحاد و یکجہتی کی جہانت ”ایمان“ پر دی ہے۔ جس میں بنیادی پانچ عقائد شامل ہیں۔

(1) ایمان باللہ (2) ایمان بالمالک (3) ایمان بالکتاب

(4) ایمان بالرسول (5) ایمان بالآخرت

یہ پانچ عناصر ایسے ہیں جو ملت کی یکجہتی، یکگہمت اور اتفاق کے ضامن ہیں۔

ہاری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”بے شک اللہ انصاف اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے اور قربت والوں کو دینے کا۔“

اس وقت مسلمانان عالم متعدد مسائل و مشکلات (جیسے علاقائی مسائل، نظریاتی و فکری مسائل، دینی مسائل، اتحاد و یکجہتی کا فقدان، سائنس اور ٹیکنالوجی سے متعلق مسائل، عدم استحکام اور اندرونی ظلمت، فوجی ساز و سامان کی کمی وغیرہ) کا سامنا کر رہے ہیں۔

ان مسائل، مشکلات اور باہمی انتشار و نفاق کو ختم کرنے کے علاوہ ملت اسلام کے اتحاد اور یکجہتی کی خاطر مندرجہ ذیل اقدامات کئے جاسکتے ہیں۔

1- مشترکہ طور پر قرآنی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ کو اپنانا۔

2- اسلام کے ملی تصور کو عام کرنا۔

3- عبادات میں اجتماع اور نظم و ضبط کی اہمیت کو اجاگر کرنا۔

4- اپنے گھروں، مسجدوں اور حکومتی و اجتماعی اداروں میں تقویٰ کی فکرائی قائم کرنا۔

5- تفرقہ بازی کے بنیادی محرکات (مثلاً جہالت کا خاتمہ، لہجہ و وطن سے اجتناب، اختلافات کے تذکرہ سے پرہیز، تحریب و تعصب سے اجتناب، نظریات کو زبردستی



پاکستان میں بسنے والوں کو وقت ملے تو غور کرو۔ آزادی کی کتنی قیمت لی تھی پہرے داروں نے پھول



آئیے! عہد کریں کہ ایسی بات کریں گے نہ سنیں گے

بڑا ہالوی

تحفہ

باعث انہوں نے پہلوانی ترک کر دی تھی۔ اب وہ نوجوان پہلوانوں کو پہلوانی کے داؤچ سکھاتے اور ان کے آپس میں مقابلے کرواتے تھے۔ گاؤں کا نمبردار منوج کمار بھی کبھی کبھار یہ مقابلے دیکھنے کے لیے اکھاڑے آتا تھا۔ آج وہ بھی اکھاڑے میں موجود تھا۔

”خلیفہ جی! کشتی کا آغاز کیا جائے۔“

یہ سن کر خلیفہ جی اشارہ کیا اور نے دونوں پہلوانوں کو اکھاڑے میں لایا گیا۔ اجیت کمار اکھاڑے کی مٹی کو اپنے جسم پر مل کر ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر بھگڑا ڈالنے لگا۔ عبداللہ بھی جب مٹی اپنے بدن پر مل چکا تو خلیفہ جی کے اشارہ کرنے پر دونوں پہلوان ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ عبداللہ نے مضبوطی سے اجیت کمار کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اجیت کمار نے ایک جھٹکا

ہی انجام ہوگا۔“ عبداللہ کے بولنے سے قبل اُس کے دوست حنیف نے کہا۔

”اپنی زبان کو لگام دو ورنہ.....“

”ورنہ کیا کرو گے؟“ حنیف نے رام داس کی بات بھی پوری نہ ہونے دی۔

”ورنہ ایسی مرمت کروں گا کہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہو گے۔“ رام داس غرایا۔

اس سے قبل کہ دونوں دست و گریبان ہوتے عبداللہ نے مداحیت کی۔ ڈھولچی مسلسل ڈھول پیٹ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد دونوں پہلوان اکھاڑے میں پہنچ چکے تھے۔ یہ اکھاڑا خلیفہ جی کے ڈیرے میں تھا۔ خلیفہ جی کا اصل نام رحمت علی تھا مگر سب لوگ انہیں خلیفہ جی کے نام سے پکارتے تھے۔ وہ خود بھی پہلوانی کرتے تھے۔ گھوڑے سے گر کر ٹانگ کی ہڈی ٹوٹنے کے

ڈھول کی تھاپ پر بھگڑا ڈالنے ہوئے اجیت کمار اور اُس کے دوست اکھاڑے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ہندو نوجوان ناچتے ہوئے اجیت کمار کے حق میں نعرے بازی بھی کر رہے تھے۔ دوسری طرف سے اللہ ہو کا ورد کرتے ہوئے مسلمان نوجوانوں کے ساتھ عبداللہ بھی اکھاڑے کی طرف آ رہا تھا۔ نہر کے پاس دونوں کا آنا سامنا ہو گیا تھا۔ اجیت کمار نے نفرت بھرے انداز میں عبداللہ کو گھورا۔ عبداللہ نے جب کسی رد عمل کا اظہار نہ کیا تو اجیت نے نہایت حقارت سے زمین پر تھوکا۔ عبداللہ کے حواس پوری طرح اس کے قابو میں تھے مگر اس کے دوست غصے کی گرفت میں آ گئے تھے۔ ایک دوست آگے بڑھنے لگا تو عبداللہ نے اپنا بازو اس کے سامنے کر دیا۔

”ہم نے اجیت کمار کا مقابلہ اکھاڑے میں کرنا ہے، یہاں کچھ کہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔“

”اکھاڑے میں بھی تمہیں دیکھ لوں گا۔“ اجیت کمار نے سینہ پھیلاتے ہوئے کہا۔

”جھیلی شکست کو تم بھول گئے ہو، ایک ہی وار میں چاروں شانے چت ہو گئے تھے، اس بار بھی تمہارا ایسا



دے کر اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر بے سود۔ دس منٹ کے بعد اجیت کمار چاروں شانے چٹ اکھاڑے کی نرم مٹی پر پڑا تھا جبکہ عبداللہ اُس پر سوار تھا۔ عبداللہ کے دوستوں نے شور مچا کر آسمان سراسر اٹھا رکھا تھا۔ عبداللہ نے اپنی جیت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ انبالہ کے ایک گاؤں میں اس مقابلے کی بازگشت کافی دنوں تک سنائی دیتی رہی۔ اجیت کمار مارے شرمندگی سے کافی دنوں تک اپنی حویلی سے باہر نہ نکلا۔ اسے یہی بات مارے جارہی تھی کہ ایک ٹھاکر کی اولاد ہو کر اُس نے ایک مٹلے سے دو بار اکھاڑے میں شکست کھائی تھی۔ اس کے والد ٹھاکر بھگوان داس گاؤں میں نہیں تھے ورنہ وہ تو شکست کھانے کے بعد اس کی کھال سمجھ لیتے۔ اجیت کمار کئی دنوں سے حویلی میں قید تھا۔

”میرا دل تو چاہتا ہے کہ عبداللہ کو اٹھا کر حویلی میں لے آؤں اور خوب اُس کی دھتائی کروں۔“

رام داس اجیت کمار کو ملنے حویلی آیا تو اُس نے غصیلے انداز میں کہا۔

”ایسا مت کرنا، اگر پتا جی کو معلوم ہو گیا تو غضب ہو جائے گا۔“

”تمہارے پتا جی آئے تو تمہاری شکست کا جان کر کیا وہ خوش ہوں گے؟ بولو جواب دو۔“

”اسی بات کی تو فکر ہے، میں انہیں کیا منہ دکھاؤں گا، نہ جانے مجھے اکھاڑے میں جا کر کیا ہو جاتا ہے، میری ساری تیاری دھری کی دھری رہ جاتی ہے ہر بار مسلا تھوڑی دیر ہی میں جیت جاتا ہے۔“ اجیت کمار نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

چند دنوں بعد اجیت کمار اپنے پتا جی ٹھاکر بھگوان داس کے سامنے سر جھکا کھڑا تھا۔

”اچھا تو میرا سپوت اجیت کمار گاؤں کے ایک معمولی زمیندار کے بیٹے سے دو بار اکھاڑے میں شکست کھا کر حویلی میں بند ہے، بہت خوب، واہ ٹھاکروں کے خاندان کو یہ دن بھی دیکھنا تھا، زبردست، واہ، تم نے خوب نام روشن کیا ہے باپ دادا کا۔“

”پتا جی! میں خوب تیاری کر کے ایک مرتبہ پھر عبداللہ کا مقابلہ کروں گا۔“ اجیت کمار نے اپنی تمام تر ہمت جمع کر کے کہا۔

”اچھا تو ایک دفعہ پھر شکست کے لیے اکھاڑے میں

اتر دو گے، نہیں اب ایسا ہرگز نہیں ہوگا، اب میں اکھاڑے میں ہونے والی شکستوں کا بدلہ لوں گا، ٹھاکر بھگوان داس نے اپنی مونچھوں کو تاد دیتے ہوئے کہا۔

اجیت کمار کچھ سمجھ نہیں پایا تھا۔

شام کے وقت ٹھاکر بھگوان داس، نمبردار کے ڈیرے پر موجود تھا۔ نمبردار اُس کی ناراضگی کی وجہ جان چکا تھا۔ وہ اب اس کوشش میں مصروف تھا کہ کسی طرح ٹھاکر خوش ہو جائے۔ آخر اُس نے ایک راستہ تلاش کر ہی لیا۔

”اب پھر کتنی ہوگی مگر اس مرتبہ جیت اجیت کمار کی ہوگی۔“

”وہ کس طرح؟“ ٹھاکر بھگوان داس نے پوچھا۔

”ہمارا غم ہو اور عبداللہ کا بیٹا عبداللہ اجیت کمار کے ہاتھوں جیت نہ ہو۔“ نمبردار متوج کمار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

☆.....☆.....☆

”نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔“ عبداللہ نے اپنے ابو کی بات سن کر کہا۔

”خدا مت کرو۔“ عبداللہ نے اُسے سمجھایا۔

”میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔“ عبداللہ نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

نمبردار اور ٹھاکر کو اس انکار سے خاصی تکلیف ہوئی۔ دونوں نے گاؤں کے سب ہندوؤں کو اکٹھا کیا۔ مسلمانوں کی گاؤں میں تعداد آئے میں تک کے برابر تھی۔ ہندو کے اکٹھے پر مسلمان پریشان تھے۔ ہندو جب نمبردار کی حویلی سے نکلے تو مسلمانوں کو اس بات کا علم ہوا کہ گاؤں میں اذان کی آواز نہیں گونجے گی۔ یہ فیصلہ مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہ تھا۔ مغرب کے وقت مؤذن غلام نبی نے مسجد کے صحن میں کھڑے ہو کر بلند آواز سے اذان دی تو نمبردار اور ٹھاکر کے کہنے پر ہندو اُس پر پل پڑے۔ غلام نبی کو مار مار کر ادھ موا کر دیا۔

”آئندہ اگر بلند آواز سے اذان دی تو جان سے مار ڈالیں گے۔“ رام داس چلایا۔

ہندو غلام نبی کو زخمی حالت میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے اس واقعے پر احتجاج تو کیا مگر ان کی شنوائی نہ ہوئی۔ مسلمان اپنی فریاد لے کر نمبردار کے پاس گئے۔ نمبردار نے انہیں ٹکا سا جواب دے کر

رخصت کر دیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کے رویے میں مزید سختی آتی گئی۔ انہوں نے مسلمانوں سے کاروباری لین دین ترک کر دیا۔ عید قربان کے موقع پر جب مسلمان گائے کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں قربان کرنے لگے تو ہندو آگئے۔

”جس نے اس گاؤں میں گاؤں کی قربانی کی اُسے کاٹ کر رکھ دیں گے۔“ موتی نے خبر لہراتے ہوئے کہا۔

”مسلمان برسوں سے اس گاؤں میں گائے کی قربانی کرتے آئے ہیں، ہم اس سال بھی قربانی کریں گے۔“ خلیفہ جی نے جواباً چھری ہندوؤں کو دکھاتے ہوئے لگا کر۔

”اب اس گاؤں میں وہی ہوگا جو ٹھاکر اور نمبردار چاہیں گے۔“ رام داس پوچھا۔

ہندو تعداد میں بہت زیادہ تھے اس لیے گائے کو اپنے ساتھ لے گئے۔ گاؤں میں ہندوؤں نے مسلمانوں کا رہنا اجیرن کر دیا تھا۔ گاؤں کے واحد پرائمری سکول کے دروازے مسلمان بچوں کے لیے بند کر دیے گئے۔ سکول میں ماسٹر الہی بخش برسوں سے پڑھا رہے تھے۔ ٹھاکر نے سرکار سے ملی بھگت کر کے انہیں ملازمت سے فارغ کر دیا۔ اب دو ہندو اساتذہ بچوں کو پڑھاتے تھے۔ اُن دنوں تحریک پاکستان زوروں پر تھی۔ گاؤں میں تازہ ترین صورت حال جاننے کے لیے کوئی ذریعہ نہیں تھا اس لیے جب بھی کوئی مسلمان شہر جاتا تو اس کی زبانی تحریک پاکستان کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلوم ہو جاتا تھا۔ آخر قیام پاکستان کا باقاعدہ اعلان ہو گیا۔ گاؤں کے مسلمان خلیفہ جی کے ہاں جمع تھے۔ سبھی بہت خوش تھے۔ ان کی یہ خوشی جب غم میں تبدیل ہوئی جب ہندوؤں اور سکھوں نے پاکستان کی طرف ہجرت کرنے والے مسلمانوں کو گارج مولیٰ کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ گاؤں کے لوگ پہلے ہی مسلمانوں کے خلاف تھے پاکستان بننے کے بعد وہ ان کی جان کے دشمن بن گئے۔ مسلمانوں کے گھروں کو آگ لگا دی گئی۔ مسلمان مرد، عورتیں اور بچے اپنی جانیں بچانے کے لیے بھاگے تو سفاک ہندوؤں اور سکھوں نے ان کا ستا قب کیا اور نیتے مسلمانوں کو شہید کرتے چلے گئے۔ گاؤں سے ہکی سڑک تک خلیفہ جی، عبداللہ، مائی

پاکستان میں عید الاضحیٰ کی تاریخ کی تبدیلی پر علماء و علما کی رائے

عید بنے گی قابل دید!

مسلمانوں کے مذہبی تہواروں میں عید سب سے زیادہ جوش و خروش اور اہتمام سے منائی جاتی ہے۔ ”عید“ لفظ ہی کتنا پیارا اور بیٹھا ہے جس کی تاثیر اتنی شیریں ہے کہ اسے ادا کرتے وقت کسی کی آنکھ سے آنسو چھلک رہے ہوتو وہ بھی مسکراہٹ میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اسے منانے کے لئے عمر کی کوئی قید و حد نہیں۔ بوڑھے بچے، مرد و خواتین سبھی اس کی تیاریوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ دنیا کے کسی بھی مذہب کی مثال لے لیں اس کے کسی بھی تہوار میں وہ پابیزگی وہ خوبصورتی قطعی دکھائی نہیں دے گی جو خالق کائنات رب ذوالجلال نے صرف ہمیں عنایت کی ہے۔ عید جیسا عالمگیر اور اجتماعی تہوار اپنی دلکش اور منفرد اقدار و روایات کے باعث سب سے الگ تھلک اور جدا نظر آتا ہے۔ یہی تو وہ دن ہے جب مجھڑے ہوؤں کا ملن ہوتا ہے۔ دل سے کدورتوں کو نکال کر گلے شکوے بھلا دیئے جاتے ہیں اور ہر چہرہ خوشیوں کے پالوں سے لبریز ہو جاتا ہے۔ بے پایاں حساب سرت بہار جلوں کی صورت من میں گھر گھر جانی ہے۔ اسی خوشی میں ڈھل جاتی ہے اور یاس کی کلی آس کے پھول میں پنہاں ہو جاتی ہے مہندی کی آفتابیت چڑیوں کی گھن گھن اور پازیب کی چمن چمن صنف نازک کی صورت و رعنائی کو چار چاند لگا دیتی ہے۔ حسن و حیا اس کی نزاکت و لطافت کو تازگی بخش دیتا ہے۔ سچ دھج اور چمک دمک اس کے سرایے قیامت میں سرایت کر جاتی ہے اور اس کی جگہ گھٹ چاند کی چاندی کو ماند کر دیتی ہے۔ گویا دھنک کی نشی زمین پر اتر آتی ہے اور اسے شوخ و چنبل فضاؤں میں اسیر کر دیتی ہے۔

آج کے اس دور میں عید کی رونقیں پہلے کی ہی نہیں رہیں۔ تیز رفتار بدلتا زمانہ اس پر اپنے بے رحم اثرات و نفوش ثبت کر گیا ہے۔ وقت کا سمندر اس کی منائی کو ساتھ بہا لے گیا ہے اور محض دکھاوا اس کا مظہر بن کر رہ گیا ہے لیکن ہم ناامید ہرگز نہیں! ابھی ہم سب نے مل کر اس دھرتی کو مثل بہشت اور نظیر نمونہ جنت بنانا ہے عید کی حقیقی روح کی ترجمانی کرتے ہوئے اسے دنیا کیلئے امن و محبت کا پیام بنانا ہے اور یہ فقط جذبہ ایمان سے ممکن ہے۔ ویسے بھی عید الہی کا تو مطلب ہی قربانی ہے خدا کی رضا اور بشر کی فلاح کیلئے ورنہ اس تصور کے علاوہ عید ہے کیا۔ بغیر ستاروں کے رات بنا خوشبو کے پھول یا رنگوں سے محروم تلی تو اس جذبہ سے لوگوں کے دل جیتنے رہے اور ان کیلئے خود کو وقف کرتے رہے بھی خوشیاں دو چند ہو جائیں گی اور ہماری عید قابل دید بنے گی۔

مسکراہٹ کو اپنے لبوں پر سجائیں اور روٹھے ہوئے کونائیں کہ شاید کہیں کوئی آپ کا منتظر ہو اور کہتا چاہ رہا ہو۔

دل اب اس ہے پھیکے ہیں سارے رنگ عید ہوگی ہماری جب ہوں گے تمہارے سنگ

شاہد بہرام انصاری ملتان

پندرہ بیس دنوں بعد گھر واپس آتا تھا۔ وقت گزرتا گیا۔ نواز کے سیاہ بالوں میں سفید بال نظر آنے لگے۔ اب اسے پڑھاتے ہوئے پندرہ سال ہو گئے تھے۔ گرمی کی تعطیلات کے دوران وہ بس میں سوار گھر واپس آ رہا تھا۔ اس کی برابر اور اگلی سیٹ پر چار نوجوان بیٹھے تھے۔ چاروں کافی دیر سے پاکستان کے خلاف باتیں کرنے میں مصروف تھے۔

”میرا خیال ہے ہمارے بڑوں نے پاکستان بنا کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔“ ایک نوجوان بولا۔

”میرا بھی یہی خیال ہے، کیا ضرورت تھی پاکستان بنانے کی، کیا ہے یہاں، یہاں ہمیں کچھ بھی تو نہیں ملا۔“ دوسرا نوجوان شوخ انداز میں بولا۔

”جہاں جاؤ بد نظمی ہے، کوئی چیز بھی تو یہاں ٹھیک نہیں، کیا ملا ہے ہمیں پاکستان بنا کر، اس سے بہتر تھا کہ پاکستان بنایا ہی نہ جاتا۔“ یہ خیال تیسرے نوجوان کا تھا۔

”ہمارے بڑوں نے نہ جانے کیا سوچ کر پاکستان بنایا تھا۔“ چوتھا نوجوان کب خاموش رہنے والا تھا۔

نوجوان جیسے جیسے پاکستان کے خلاف باتیں کرتے جا رہے تھے نواز کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا جا رہا تھا۔ نوجوانوں کی ایک ایک بات اس کے دل و دماغ پر ہتھوڑا بن کر برس رہی تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے اپنی سیٹ سے اٹھا اور نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

”ایک لمحے کے لیے یہ فرض کر لیا جائے کہ پاکستان نے آپ لوگوں کو کچھ نہیں دیا۔ میرا آپ سے سوال ہے آپ نے پاکستان کو کیا دیا ہے، بولو جواب دو۔“

یہ سوال سن کر چاروں نوجوان لا جواب تھے۔ ان کے سر جھکے ہوئے تھے۔

”پاکستان نے ہمیں پہچان دی ہے، آزادی ہے، ہم اپنے مذہب اور روایات کے مطابق آزادانہ زندگی گزار رہے ہیں، ان آزادیوں کی قدر و قیمت وہ لوگ جانتے ہیں جو آگ کا دریا عبور کر کے پاکستان میں آئے تھے، آزادی کے ان لمحات کی قدر کرو، پاکستان اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ تحفہ ہے، اس تحفے کی قدر کرو۔“ نواز جذباتی انداز میں بولتا چلا گیا۔

پھر راستے بھر نوجوانوں نے پاکستان کے خلاف کوئی بات نہ کی، یوں لگ رہا تھا جیسے انہیں نواز کی بات سمجھ آگئی ہو۔

کٹھن اور اس کا پوتا نواز پہنچ پائے تھے۔ جب وہ ٹرین میں سوار لاہور کے لیے روانہ ہوئے تو جگہ جگہ ٹرین کو روک کر سکھ قتل و غارت کرتے رہے۔

”دادی جان! پاکستان کتنی دُور ہے؟“ نواز نے پوچھا۔

”بس پاکستان آنے والا ہے۔“

”پاکستان کیسا ہوگا؟“

”بہت خوبصورت، بہت پیارا۔“ دادی جان نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”کیا وہاں اذان کی آواز سنائی دے گی؟“ نواز اپنی عمر سے زیادہ بڑی باتیں کر رہا تھا۔ ”پاکستان کا قیام اسلام کے نام پر ہوا ہے وہاں ہر طرف سے اذان کی آوازیں سنائی دیں گی، سب مسلمان ایک اللہ کی عبادت کریں گے۔“

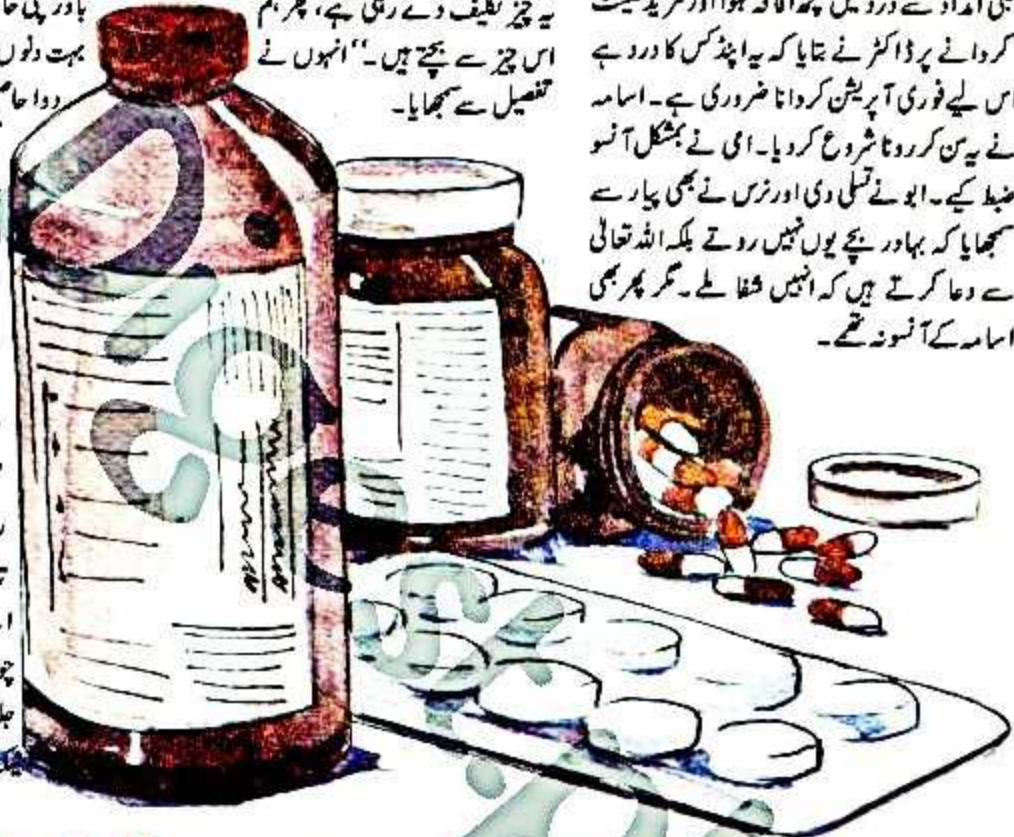
دادی پوتا انہی باتوں میں مصروف تھے کہ سکھوں نے ٹرین پر حملہ کر دیا۔ سکھوں پر وحشت طاری تھی۔ مسلمانوں کو خون میں نہلا کر فرار ہو گئے۔ نواز معمولی زخمی ہوا تھا جبکہ دادی جان شدید زخمی تھیں۔ ان کا خون مسلسل بہہ رہا تھا۔ ڈبے میں ہر طرف خون ہی خون تھا۔ کچھ دیر بعد دادی جان نے شہادت کا جام نوش کر لیا۔ ”دادی جان! آنکھیں کھولیں، پاکستان آنے والا ہے، پیارا پاکستان، جہاں اذان کی آواز سنائی دے گی، دادی جان! آنکھیں کھولیں۔“ یہ کہتے ہوئے دس سالہ نواز رو دیا۔ خلیفہ جی کا بازو زخمی تھا۔ انہوں نے روتے نواز کو اپنی ہاتھوں کے حصار میں لے لیا۔ جب ٹرین لاہور سٹیشن پر آ کر رکی تو اس میں زندہ لوگ نہ ہونے کے برابر تھے۔ تمام ڈبے خون سے تر تھے۔

”دادی جان! آنکھیں کھولیں، پاکستان آگیا ہے، ہم سب کا پیارا پاکستان آگیا ہے، اب تو آنکھیں کھول دیں۔“ خلیفہ جی بھی نواز کی باتوں سے اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے۔ جب رضا کار دادی جان کی لاش لے گئے تو خلیفہ جی، نواز کو لے کر وائٹ کیمپ آ گئے۔ برسات کا موسم تھا۔ مشکلات کی گھڑیاں تھیں۔ ہجرت کر کے آنے والے اپنے پیاروں کو یاد کر کے آنسو بہاتے تھے۔ خلیفہ جی نے حافظ آباد میں زرعی زمین الاٹ کر دالی۔ انہوں نے اپنی تمام تر توجہ نواز پر مرکوز کر دی۔ اس دن خلیفہ جی بہت خوش تھے جب نواز اردو کا استاد بن کر ان کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کی پہلی تعیناتی ملتان میں ہوئی تھی۔ وہ

پاکستان میں بسنے والے اوقات میں ملے تو غور کرو

ڈاکٹر ارمہ ہدایت

شام کو کھیلتے ہوئے اچانک اسامہ کے پیٹ کے نچلے حصے میں شدید درد اٹھا۔ تکلیف کی شدت سے وہ دھرا ہو گیا، ساتھ ہی الٹی بھی آگئی۔ امی، ابو فوراً اسے لے کر ہسپتال کے شعبہ حادثات پہنچے۔ ابتدائی طبی امداد سے درد میں کچھ افاتہ ہوا اور مزید ٹیسٹ کروانے پر ڈاکٹر نے بتایا کہ یہ اپنڈکس کا درد ہے اس لیے فوری آپریشن کروانا ضروری ہے۔ اسامہ نے یہ سن کر رونا شروع کر دیا۔ امی نے بمشکل آنسو ضبط کیے۔ ابو نے تسلی دی اور نرس نے بھی پیار سے سمجھایا کہ بہادر بچے یوں نہیں روتے بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ انہیں شفا ملے۔ مگر پھر بھی اسامہ کے آنسو نہ تھے۔



وہ اس درد سے تنگ آچکا تھا لیکن.....

درد

ایک مہینہ بعد اسامہ، آپریشن کے بعد وارڈ میں شفٹ ہو چکا تھا۔ ابھی بیہوشی کے زیر اثر غنودگی میں تھا مگر جب ہوش آیا تو آپریشن کے مقام پر درد کا احساس ہوا۔ ”ہائے امی، بہت درد ہو رہا ہے“ ابو فوراً ڈاکٹر کو بلا لائے جنہوں نے درد دور کرنے کا انجکشن لگوا دیا۔ وہ دو دن وارڈ میں داخل رہا اور صبح دوپہر شام اسے درد کش ادویات دی جاتی رہیں۔ وہ سارا دن مختلف مریضوں کو کراچے ترپتے دیکھتا تو سوچتا، ”اللہ نے درد کیوں بنایا؟“

تیسرے دن وہ گھر واپس آ گیا مگر ابھی بھی درد باقی تھا اگرچہ پہلے سے کافی کم۔ اب تو اکثر ہی اس کے ذہن میں یہ سوال اٹھتا، ”درد نہ ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا؟ اب کتنے آرام سے رہتے۔“

ایک ہفتے بعد جب وہ دوبارہ ڈاکٹر کے پاس معائنے کے لیے گیا تو ان سے بھی یہی سوال کیا۔ ”ڈاکٹر صاحب ہمیں درد کیوں ہوتا ہے؟“

”بیٹا اللہ تعالیٰ نے ہمارے جسم میں اعصاب کا جال پھیلا رکھا ہے جن کا دوسرا سرا دماغ سے جاملتا ہے جب کوئی تکلیف وہ چیز ہمارے جسم سے لگتی ہے تو فوراً اعصاب کے ذریعے دماغ کو پیغام پہنچتا ہے کہ یہ چیز تکلیف دے رہی ہے، پھر ہم اس چیز سے بچتے ہیں۔“ انہوں نے تفصیل سے سمجھایا۔

دوا کے متعلق سن کر اسامہ بہت پر جوش ہو گیا، اسے بس یہ کرنا تھا کہ کسی طرح وہ دوا حاصل کر لے پھر اسے درد سے نجات مل جاتی۔ وہ اندرونی خوشی کو چھپاتا، ڈاکٹر صاحب کا شکر یہ ادا کرتا ہوا واپس لوٹ آیا۔

گھر آ کر امی نے اسے آرام کی تلقین کی اور خود باورچی خانے میں مصروف ہو گئیں۔

بہت دنوں کی کوشش رنگ لائی اور بالآخر اسامہ وہ دوا حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ایک ہفتہ مسلسل کھانے سے اس کے اعصاب سن ہوتا شروع ہو گئے اور 10 دن بعد تک اسے کسی قسم کے درد کا احساس ختم ہو گیا۔

”آہ میں درد سے جیت گیا“ وہ سرور تھا مگر اپنی خوشی کسی سے بانٹ نہیں سکتا تھا کیونکہ جس ڈپنسر سے اس نے دوا لی تھی اس نے رازداری کا وعدہ لیا تھا۔

”نجانے ڈاکٹر ایسی دوا چھپا کر کیوں رکھتے ہیں، میرا بس چلے تو سب کو دوں تاکہ کسی کو درد نہ ہو۔“ وہ سوچتا۔

اب کھیلتے ہوئے وہ بے خوف ہوتا کیونکہ چوٹ لگنے پر بھی درد نہ ہوتا تھا اور اگر کہیں جلد چھل جاتی تو ٹیٹنس (Tetanus) کا خطرہ لگوانے پر بھی دایلا نہ کرتا۔



اگر ہے جذبہ تعمیر زندہ!

اگر ہے جذبہ تعمیر زندہ !
 تو پھر کس چیز کی ہم میں کمی ہے
 جہاں سے پھول ٹوٹا تھا وہیں سے
 کلی سی ایک نمایاں ہو رہی ہے
 جہاں بجلی مری تھی اب وہی شاخ
 نئے پتے بہن کر تن مٹی ہے
 فزوں سے رک سکا کب موسم گل
 بجیا اصل اصول زندگی ہے
 اگر ہے جذبہ تعمیر زندہ !
 تو پھر کسی چیز کی ہم میں کمی ہے
 کھنڈر سے گل جہاں بکھرے پڑے تھے
 وہیں سے آج ایوان اٹھ رہے ہیں
 جہاں گل زندگی مہیوت سی تھی
 وہیں پر آج نئے گونجتے ہیں
 یہ سنانے سے نئے کی جانب ہجرت
 یہی اصل اصول زندگی ہے
 اگر ہے جذبہ تعمیر زندہ !
 تو پھر کس چیز کی ہم میں کمی ہے
 نہیں بچ بنگلے کا خوف جب تک
 شعاعیں برف پر لرزاں رہیں گی
 اندھیرے جم نہ پائیں گے جب تک
 چراغوں کی لویں رقصاں رہیں گی
 بشر کی، اپنی ہی تقدیر سے جنگ
 یہی اصل اصول زندگی ہے
 اگر ہے جذبہ تعمیر زندہ !
 تو پھر کس چیز کی ہم میں کمی ہے

احمد نایم قاسمی

غصے تک کو مٹا کر دیا ہے۔

”کیا اس کا علاج نہیں ہے؟“

”مجھے بے حد افسوس ہے کہ اس کا علاج صرف یہ

ہے کہ نصف پٹلی تک ٹانگ کاٹ دی جائے۔“

امی، ابو سکتے میں آگئے۔ بہت دیر بعد ابو نے ہی

ہمت جمع کی۔ ”اور اگر ایسا نہ کروائیں تو؟“ تو

بیاری حریف ہڈیوں کو مٹا کر کرتی جائے گی اور پھر

شاید گھٹنے تک کاٹنی پڑے۔ جتنی دیر کریں گے اتنی ہی

زیادہ نقصان ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب سنجیدگی سے

بولے۔ ”آپ چاہیں تو کسی اور معالج سے بھی

مشورہ لے سکتے ہیں۔“

اس دن اسامہ کو مزید تین ڈاکٹر کو چیک کروایا سب

کی وہی رائے تھی جو پہلے ڈاکٹر کی تھی۔ امی تو روتی

رہیں، ابو بھی پریشان تھے۔ اسامہ کو پوری بات تو

نہیں پتہ تھی مگر اندازہ ہو رہا تھا کہ معاملہ عجیبہ ہے۔

رات کو اسے ہسپتال میں داخل کر لیا گیا۔ اسے

صرف اتنا علم تھا کہ صبح اس کا آپریشن ہے۔ کیا

آپریشن ہے؟ یہ نہیں پتہ تھا۔ صبح 8 بجے سے اسے

آپریشن ٹیبل پر لٹا دیا گیا۔ ایک ڈاکٹر نے اس کا

دایاں پانچھ اوپر سر کا کر نصف پٹلی پر مار کر سے

نشان لگایا اور دوسرے ڈاکٹر کو بتایا، ”یہاں سے

ٹانگ کاٹنی ہے۔“

”نہیں۔۔۔۔۔“ اسامہ چلایا اور آپریشن ٹیبل سے نیچے

چلا ٹانگ لگا دی۔ دو تین آدمی اسے پلانے کے لیے

لیکے مگر اس کا رخ دروازے کی طرف تھا۔ اچانک

کسی چیز میں اس کا پاؤں الجھا اور وہ زمین پر گر گیا۔

”اسامہ، اسامہ کیا ہوا۔“ کوئی اسے جھجھوڑ رہا تھا۔

”نہیں کاٹنی نہیں نہیں۔“ ایک دم اس کے گال پر چھڑ

پڑا اور اس کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ وہ اپنے

کمرے میں دروازے کے قریب گرا پڑا تھا اور اسی

حواس باختہ اس کے قریب بیٹھی تھیں۔ اس نے بے

ساختہ اپنے دونوں پاؤں کے ٹکڑے دیکھے۔ وہ ٹھیک

تھے۔ پھر اگلے منٹ میں ڈال کر چٹائی ”اولی۔“ درد

کے مارے سکا اور پھر خوشی سے اچھل پڑا، ”میں

ٹھیک ہوں! مجھے درد محسوس ہوتا ہے، میرے

اعصاب ٹھیک ہیں، شکر ہے امی مجھے درد ہوتا ہے۔“

اس کی آنکھوں میں مارے تشکر کے آنسو تھے اور امی

حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

☆☆☆

وہ قالین پر ناگئیں پھیلائے بیٹھائی وی دیکھ رہا تھا

جب امی کی نظر اس کے پاؤں کے تلے پر پڑی، وہ

پریشانی سے آگے آئیں اور بولیں، ”اسامہ، یہ

تمہیں زخم کیسے آیا؟“ ان کے توجہ دلانے پر اسامہ

نے گھٹنا موڑ کر ٹکڑے کو دیکھنے کی کوشش کی وہاں خاصا

گہرا زخم تھا۔ زخم کے کنارے سیاہ ہو رہے تھے اور

اس میں پیپ پڑ گئی تھی۔ زخم دیکھ کر وہ خود بھی گھبرا

گیا۔ ”پتہ نہیں امی، یہ کیسے ہوا۔“

امی فوراً اس کو ہاتھ روم لے کر گئیں۔ پانی سے

صاف کر کے انہوں نے زخم کو ڈیٹول سے دھویا،

”چلو ڈاکٹر کے پاس۔“ ڈرائیور کے ساتھ وہ

ہسپتال پہنچیں۔ راستے میں بار بار حیرت سے اسامہ

سے پوچھتیں۔ ”تمہیں پتہ ہی نہیں چلا کہ یہ زخم کیسے

ہوا؟“ ”تمہیں بالکل درد نہیں ہوا؟“

”نہیں امی، مجھے درد نہیں ہوا“ دوا والی بات وہ

صاف چھپا گیا۔

”درد بھی نہیں ہوا؟“ امی بڑبڑائیں۔ ان کے

چہرے پر پریشانی رقم تھی۔

ڈاکٹر نے معائنہ کیا، کچھ سوالات کیے اور پر تنویش

لجھ میں اس کی امی سے مخاطب ہوئے۔ ”اتنی سی عمر

میں اعصاب کی یہ بیماری ہوتی تو نہیں ہے۔ حیرت

ہے۔۔۔۔۔ یہ زخم پرانا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ اس نے

پاؤں کی ہڈی کو بھی مٹا کر دیا ہے۔ آپ یہ انکسریے

کروالیں۔“ انہوں نے پرچی امی کی طرف

بڑھائی۔ ”اور خون کے ٹیسٹ بھی لکھ دیجیے۔“

امی نے ابو کو بھی فون کر کے ہسپتال بلا لیا۔ وہ بھی

ساری بات سن کر مضطرب ہو گئے۔ اسامہ سے

پوچھتے تو ایک ہی جواب ملتا۔ ”مجھے نہیں پتہ یہ کیسے

ہوا، مجھے درد نہیں ہوا۔“

”وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔“ ڈاکٹر نے انکسریے

دیکھتے ہوئے افسوس سے کہا، امی، ابو اور اسامہ ہمہ

تن گوش تھے۔ انہوں نے نرس سے کہا کہ اسامہ کو

دوسرے کمرے میں لے جائیں اور پٹی کروادیں۔

دراصل وہ اسامہ کے سامنے بات نہیں کرنا چاہتے

تھے۔

وہ چلا گیا تو ابو بے تابی سے بولے، ”بتائیے نا ڈاکٹر

صاحب کیا ہوا ہے؟“

”آپ بچے کو بہت دیر سے لے کر آئے۔ زخم میں

انفیکشن ہوا اور اس نے پہلے پاؤں کی ہڈیوں اور پھر





پاکستان میں بسنے والوں کو ملنے والے حقوق و آزادی کی کتنی قیمت لی تھی پہلے داروں نے پھول



وطن کے نام

ہے بہاروں کا سماں میرے وطن میں
کیا ہی منظر ہیں یہاں میرے وطن میں
قائد اعظم کی محنت کا ثمر ہے
جو کھلا ہے گلستاں میرے وطن میں
اس بڑی ہجرت کا شاہد ہے زمانہ
آ رہے تھے کارواں میرے وطن میں
جن کے طوفانوں میں دیے جلتے رہے تھے
وہ ہیں جرات کے نشاں میرے وطن میں
جن کے پیچھے اک زمانہ دوڑتا تھا
کھو گئے ہیں وہ کہاں میرے وطن میں
اصل میں تو یہ شہیدوں کی زمیں ہے
ہر بشر ہے شیر خاں میرے وطن میں
جیسے سحر کے شہیدوں کی قسم ہے
بچ بچ ہے جواں میرے وطن میں
ایک بھائی ایک بہن گم ہو گئے تھے
گم ہے میری داستاں میرے وطن میں
بیش اس کا دم بھرتا رہے گا
اٹھنے کی تو ہے جاں میرے وطن میں
محمد طفیل اعظمی - لاہور کینٹ

نظمیں

ترانہ

یہ وطن یا الہی! سلامت رہے!
سلامت رہے باقیات رہے!
جو اس کا لب و لہجہ دشمن وہ ناکام ہو
وطن کا جہاں میں سدا نام ہو
سرت خوشی ہر طرف عام ہو
یہ وطن یا الہی! سلامت رہے!
سلامت رہے باقیات رہے!
سدا پرچم اونچا ہمارا رہے
چمکتا ہوا چاند ہمارا رہے
وطن شاد و آباد سارا رہے
یہ وطن یا الہی! سلامت رہے!
سلامت رہے باقیات رہے!
خدایا دلوں میں ہوں پیدا کتن
وطن کو سجائے سب اہل وطن
ہا دیں اسے جلد رشک چمن
یہ وطن یا الہی! سلامت رہے!
سلامت رہے باقیات رہے!
ہمیں عادت صبر و حلیم دے
ہمیں قوت عزم و حقیق دے
خدایا تو توفیق و تعلیم دے
یہ وطن یا الہی! سلامت رہے!
سلامت رہے باقیات رہے!

ایمان تو ہے - گوہر نوالہ

دھرتی

فلک کو ناز ہے اس پر یہ جنت کا نظارہ ہے
یہی چھاؤں ہماری ہے وطن پہ گھر ہمارا ہے
حسین وادی ہے گلشن حسین تاروں کا پیرا ہن
یہ ہے خورشید کا آگن، یہ دھرتی ماد پارہ ہے
یہ دھرتی شان ہے اپنی، یہی پہچان ہے اپنی
اسی سے مان ہے اپنا یہی اپنا سہارا ہے
تغیر سے زمانے کے محبت گھٹ نہیں جاتی
عزیز از جان تھا کل بھی، یہ جاں سے اب بھی پیارا ہے
فدا ہوں دین و ملت پر حیات جاوداں پائیں
یہی خواہش ہماری ہے یہی ارماں ہمارا ہے
انتخاب: - بنت محمد صدیق

آزادی

زمانے بھر میں ہے انسان کی پہچان آزادی
خدا آزاد ہے اور ہے خدا کی شان آزادی
غلامی موت سے بڑھ کر ہے ذلت کا نشان ہے شک
جہاں میں زندگی کا ہے فقط عنوان آزادی
غلاموں کی زمانے میں نہیں ہے زندگی اپنی
جو ہیں آزاد ان سب کی بنی ہے جان آزادی
غلاموں کو کرو آزاد اس دنیا میں اے لوگو
خدا و مصطفیٰ ﷺ کا بھی ہے یہ فرمان آزادی
خدا کی نعمت عظمیٰ ہے آزادی زمانے میں
خدا کا شکر ہے بخشی ہمیں رحمان آزادی
غلاموں کے لئے ناکامیاں لکھی ہیں قسمت میں
جہاں میں کامیابی کا فقط سامان آزادی
خدایا رکنا شاد آباد اور آزاد دنیا میں
خدا بخشے زمانے میں ہمیں ہر آن آزادی
مرے مولا نگاہ بد سے ہم سب کو بچا لیتا
ترے لطف و کرم سے پائے ہر انسان آزادی
بنا رمضان میں رحمان کے صدقے سے پاکستان
منائے تا ابد اب سارا پاکستان آزادی
ریاض احمد دعائیں مانگتا ہے اب بھی رب سے
خدایا بخش اس قوم کو ذیشان آزادی
ریاض احمد قادری - فیصل آباد

پاک وطن

پاک وطن کا ہر اک غنچہ عالی شان ہے
پنجاب سندھ پنجتون بلوچستان ہے
قدم قدم شاہکار ہے میرا وطن
وادیوں میں گہرا گلگت بلتستان ہے
کیسے کریں ہم حمد خدا کی عظمت کی
ہم کو بخشا اس نے پیارا پاکستان ہے
ہم ہیں خود سر ہم ہیں ایک زمانے میں
ہمارے سروں پہ سایہ قرآن ہے
موتی اگلنے والی ہے دھرتی اپنی!
ہر سو پھیلا سونے کا میدان ہے
ہر خطہ ہے اپنی ثقافت کا منبع
ہر سو پھیلی اکلی اپنی شان ہے
پاک وطن کے ذرے ذرے پر اجمل
اپنی جان محبت میں قربان ہے

محمد اسماعیل شاہین انصاری - لاہور

پاک وطن کے لیے خصوصی دعا

اے میرے وطن تیرے پاسیوں کے دل شاد رہیں
ختم ہوں دشمن ترے یہ گلیاں کوچے سدا آباد رہیں
تری مائی کی مہک مرے دل خست کو قرار دے
ترا جھنڈا سرخ رو مجھ کو امید بھاد دے
جھولے جھولیں، تجھ میں ہی ہم بیٹ پھیلیں پھولیں
محنت ہم کریں، آگے بڑھیں، فلک کو چھو لیں
تری خاک کا حق ادا کریں، ترانہ عالم میں پھیلائیں
تری حفاظت پہ گولی کھائیں، مگر ترے دشمن کو کھا جائیں
ترے جری جوانوں سے لرزیں پرتوں کی چوٹیاں
پاک ہیں ترے کوہ و قمر، پاک ہیں تری گھائیاں
تو ہماری زیست ہے، تو خدا کا بیش بہا خزانہ ہے
انہی طاقت ہے، تجھ سے لرزاں یہ سارا زمانہ ہے
تیرے لیے یہ جان ہے، تجھ پہ جان قربان ہے
امہد اقبال بھی - کبیر





آزادی کی کتنی قیمت لی تھی پہرے داروں نے



پاکستان میں ایسے بڑا دل والو وقت ملے تو غور کرو



پاکستان

اقتصادی، تجارتی، زرعی، تعلیمی، اخلاقی اقدار اور عوامی فلاح و بہبود میں ہم نے کتنی پیش رفت کی ہے اور کی ہے تو اس کی رفتار اچھی ہے یا بری ہے۔ جشن آزادی منانا اچھی بات ہے۔ عمارتوں پر روٹی کرنا، جھنڈے لگانا سب ٹھیک ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اُن لوگوں کا خیال بھی رکھنا چاہیے جو جان و مال کی قربانیاں دے کر اور ہر لحاظ سے تہلہ ہو کر پاکستان آئے تھے اُن میں سے اکثر گھرانے پریشانی کا شکار ہیں اُن کی مدد کرنی چاہیے۔ اس سلسلے میں حکومت کو بھی غور کرنا چاہیے۔ آزادی کا صحیح مفہوم اُس وقت حاصل ہوگا جب کچھ لوگ قرض سے آزادی حاصل کریں۔ کچھ لوگ اپنی بچوں کو تھوڑا بہت جھیز دے کر قلمروں سے آزادی حاصل کریں۔ بیماروں کا علاج ہو سکے۔ بے گھروں کو گھر مل جائیں اگر ایسا ہو جائے تو ہم سمجھیں گے کہ ہم نے صحیح آزادی حاصل کی ہے۔



یوم آزادی

آزادی کا سورج چمکا کھولی آنکھ بہاروں نے مہر کو پُر کیف بنایا ان دیکھی مہکاروں نے دھارے خوشیوں کے بہہ نکلے کھلی برف غلامی کی اپنا اصل رنگ دکھایا بریفیلے کہساروں نے سب اہل اسلام کے چہرے بے رنگ تھے پڑمردہ تھے سانس جب آزاد ہوئیں تو کروٹ لی بیماروں نے پاکستان میں ایسے والو! وقت ملے تو غور کرو آزادی کی کتنی قیمت لی تھی پہرے داروں نے وقت نے لاکھوں معصوموں کے خون سے مٹی گوندھی تھی رکھی تھی بنیاد وطن کی جب اس کے معماروں نے آزادی جب دہن بن کر ظلم کے جنگل سے گزری خون میں نہلائے باراتی کرپانوں کمواروں نے آج بھی دیس میں جعفر صادق بھیس بدل کر پھرتے ہیں دہشت گردی پھیلا رکھی ہے انہی غداروں نے جاگتی آنکھو! آؤ ان کے اصلی چہرے بچپان میں میری بھولی بھالی قوم کو لوٹا جن مکاروں نے حیرت ہے اب میرے اپنے لوٹ رہے ہیں اپنوں کو منصف کو بے بس کر ڈالا طاقتور فزکاروں نے یوم آزادی کے موقع پرکس سے فریاد کریں! قاتلوں میں یہ سال بھی کاٹا ہے جن غم کے ماروں نے

اکرم محمد قاری۔ لاہور

یوم آزادی کو یوم احتساب کے طور پر منانا چاہیے

یوم احتساب

ٹرینوں میں چڑھ کر مسلمانوں کو شہید کیا۔ نئے نئے معصوم بچوں کو ان کی ماؤں کے سامنے نیرول کی نوک پر ٹنگ دیا گیا لیکن مسلمان برعزم تھے انہوں نے کانگریس سے علیحدہ ہو کر اپنی پارٹی "مسلم لیگ" بنائی جس میں نیک اور ایماندار لوگوں کو شامل کیا۔ چونکہ قائد اعظم ایک پُر خلوص، نیک، ایماندار اور محنتی انسان تھے ان کو اللہ پر پورا بھروسہ تھا اس لیے ایک الگ ملک بنانے میں کامیاب ہوئے۔ ہندوؤں نے قائد اعظم کے راستے میں بہت روڑے اٹکائے لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ قائد اعظم پاکستان کے گورنر جنرل مقرر ہوئے۔ وہ پاکستان کو دنیا کا بہترین ملک بنانا چاہتے تھے لیکن صحت نے اجازت نہ دی اور وہ بہت جلد اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ اقوام عالم اپنے یوم آزادی شان و شوکت سے مناتی ہیں۔ ہم پاکستانی بھی 14 اگست کو یوم پاکستان کے طور پر مناتے ہیں۔ یہ ہمارا حق ہے مگر یوم آزادی کا جشن محض تقاریب

آزادی ایک ایسا لفظ ہے جسے سن کر انسان کی عجیب کیفیت ہو جاتی ہے دل ہانپ ہانپ ہو جاتا ہے۔ آزادی حاصل کرنا ہر شخص کا بنیادی حق ہے اگر کسی پرندے کو آزاد کیا جائے تو وہ بھی چھپھٹا ہوا میں اُڑ جاتا ہے گویا وہ خوشی کا اظہار کرتا ہے۔ پرانے زمانے میں جب کسی غلام کو آزاد کیا جاتا تھا تو وہ کتنا خوش ہوتا تھا۔ جب کوئی شخص جیل سے رہائی پاتا ہے تو وہ اور اُس کے گھر والے کتنی خوشی مناتے ہیں۔ اسی طرح ہر شخص کو اپنے ملک میں اپنے حقوق حاصل کرنے کی بھی پوری آزادی ہونی چاہیے۔ کشمیر کے مسلمان ساٹھ سال سے آزادی حاصل کرنے کیلئے بھارت کے سامنے صف آراء ہیں اور سینکڑوں کشمیری جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔ فلسطینی اسرائیلیوں کے ظلم سہہ رہے ہیں لیکن آزادی کی کوششوں کو ختم



سمجھانے، روشنیاں کرنے، جھنڈے اور جھنڈیاں لہرانے، سوزناٹکوں کے سائیکس ٹیکل کر چلانے تک محدود نہیں ہونا چاہیے بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے یوم احتساب کے طور پر منانا چاہیے۔ ہر خاص و عام پاکستانی کیلئے اشد ضروری ہے کہ سنجیدگی سے اُس دن گزشتہ سال کے قلع و قمع کا جائزہ لے اور ایمان داری سے سوچے کہ معاشی،

فنیس کرتے۔ اسی طرح کچھ اور ملکوں نے بھی آزادی کیلئے قربانیاں دی ہیں ہمارا وطن پاکستان جب 14 اگست کو آزاد ہوا جب مسلمانوں نے بہت قربانیاں دیں۔ ہندوؤں اور سکھوں نے مسلمانوں کا بے تحاشا خون بہایا۔ اُن کی ہاتھ دلوں لوٹ لیں۔ عورتوں کی بے حرمتی کی گئی۔ پاکستان آنے والے قاتلوں پر حملے کر کے مسلمانوں کو شہید کیا۔ چلتی





پاکستان میں جسے دارالافتاء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے



پاکستان میں جسے دارالافتاء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے



ابصار عبدالعلی

ادیب، دانشور، براؤ کاسٹر، صحافی

ڈائریکٹر جمہوریہ نظامی پریس انسٹی ٹیوٹ آف پاکستان

کتابوں کو ساتھ رکھیے۔ جو لوگ کتابیں پڑھتے ہیں
ان کے ساتھ رہیں گے۔ پھر علم آپ کے ساتھ رہے گا اور
آپ کامیابیوں کے ساتھ رہیں گے۔

ابصار

۱۴



ڈاکٹر انعام الحق جاوید

شاعر۔ مزاح نگار

جنگ ڈائریکٹر نیشنل بک فاؤنڈیشن

میرا موقف ہے کہ ہمیشہ دوسروں کا خیال رکھیں۔
اپنا خیال تو ہر کوئی بغیر کسی کے رکھ سکتا ہے۔
دوسروں کا خیال رکھنا نیکی ہے۔ آپ دوسروں
کا خیال رکھیں گے تو دوسروں میں سے بھی کوئی نہ کوئی
آپ کا خیال رکھے گا۔

انعام الحق

19-7-2014



سلیم اختر

شاعر۔ ادیب

زندگی میں کامیابی کی سیڑھی
والدین اور اساتذہ کا احترام

سلیم اختر

25/05/14



شوکت علی

گلوہ

پھول جیسے نکو!
آپ کھلتے رہیں اور زمانہ کو اپنی
خوشبو سے معطر کریں
دنیا میں پھلائی کی خوشبو آپ کو
سدا سلامت رکھے گی

شوکت علی





پاکستان میں کتنے بڑے انقلابات رونے تو غور کرو



آزادی کی کتنی قیمت لی تھی پھرے داروں نے



پاکستان میں کتنے بڑے انقلابات رونے تو غور کرو

سید مریم قاسم

وہ بے چینی سے ایئر پورٹ کے وینگ روم میں بیٹھ رہا تھا۔ وقت تھا کہ گزرنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ اس نے آکٹا ہٹ کے عالم میں پہلو بدلتے ہوئے گھڑی پہ نظر دوڑائی۔ آف میرے خدایا..... ابھی تو آدھا گھنٹہ رہتا تھا۔ آج والی فلائٹ تو ویسے ہی بہت آداس تھی کہ

محب وطن بنانے کی کوششوں میں لگے رہے مگر اس وقت انہیں اپنی کوششیں دھول بٹی ہوئی محسوس ہوئیں جب شاہ زیب امریکہ سے تعلیم مکمل کر کے لوٹا اور وہاں مستقل رہائش کا عزم مصمم کر لیا۔ وہاں کی چکا چوندروشنیوں نے سرجن شاہ زیب کو تمام مادری نغموں کی مدد ہوش، ٹھنڈی اور آزاد فضاؤں کو بھلانے پر اکسایا تھا۔ اب نہ تو وہ اپنے



بھیا، افسوس..... بھیا مت جاؤ..... مت جاؤ..... رُک جاؤ..... بھیا۔ یہاں ہماری ایک پہچان اور عزت ہے اور امریکہ میں آپ اپنی ذات کو بھی بھلا ڈالیں گے، زندگی صرف پیسے کی کشمکش بننا نہیں، یہ احساسات سے نہ ہے۔ ”حماد کا لہجہ جتنی ہوتے ہوتے دھیم پڑ گیا۔ وہ پھر گویا ہوا ”امریکہ کو آپ کی ضرورت ہرگز نہیں ہے بلکہ پاکستان کو آپ کی ضرورت ہے۔ بھیا کیا آپ اس حالت میں وطن کو تنہا چھوڑنا چاہتے ہیں؟ کیا جس دھرتی نے سالوں ہمارا بوجھ برداشت کیا اس کا صلہ یوں دیتے ہیں؟“

باہر کھڑے بابا کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں، انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ شاید ان کی کوششوں کا ثمر کچھ اس انداز سے ملا ہے کہ وطن کی محبت کا سارا دھارا ان کے چھوٹے بیٹے کی طرف تھا۔

☆☆☆☆

وہ سر جھکائے ایئر پورٹ کے وینگ روم میں بیٹھا تھا جب فون کی بپ نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ بابا کی آواز تھی۔ کہہ رہے تھے ”حماد ابدی زندگی پا گیا، شہید ہو گیا وہ، کل رات کے آپریشن میں خوب مردانہ وار لڑا اور صبح کے وقت لڑتے لڑتے جام شہادت نوش کر لیا۔“ ان

وہ اس کو روکتے روکتے خود چلا گیا لیکن دونوں کی منزلیں خداجد اٹھیں

خاک وطن

بابا الوداع کہنے نہیں آئے تھے اور حماد بھی تو چھٹی پوری ہونے پر واپس جا چکا تھا اور اب اوپر سے انتظار کی ٹکی آخر تھک ہار کر وہ ایک کونے میں سر جھکائے بیٹھ گیا۔ ٹرن..... ٹرن..... ٹرن موبائل فون نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا اور پھر جیسے موبائل فون سے آنے والی آواز اس پر بجلی کی طرح پڑی اور بے چینی کے عالم میں موبائل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

☆☆☆☆

”تو کیا تمہارا یہ فیصلہ واقعی اور حتمی ہے؟“ بابا نے شاہ زیب کو مخاطب کرتے ہوئے بے بسی سے پوچھا۔ ”جی“ دوسری طرف محسوس اور بڑے اعتماد لہجے میں گویا بات ہی ختم کر دی گئی اور اس کے ساتھ ہی پاس بیٹھے حماد کے چہرے پر فلکیں ابھر آئیں۔ بابا بھی بہت دلیرداشتہ نظر آ رہے تھے۔ ساری زندگی اپنے دونوں بیٹوں کو آزاد فضاؤں کے خوش کن نغموں سے روشناس کرواتے رہے، قطرہ قطرہ وطن کی محبت پلاتے رہے، ان کی ماں کے مرنے کے بعد یہ ہی تھے جنہوں نے باپ کے ساتھ ساتھ ماں کا کردار بھی ادا کیا اور نظموں کے ذریعے انہیں

الفاظ کے ساتھ ہی بے چینی کے عالم میں فون اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ دماغ میں چند جتنی آوازیں بلند ہونے لگیں..... بھیا مت جاؤ..... مت جاؤ نا..... رُک جاؤ نا..... ”اسے رُکے رُکے وہ تو خود ہی چل بسا تھا۔“

☆☆☆☆

کمرے میں تازہ چینی کی بھینی بھینی خوشبو پھیلی تھی، مدہم آواز میں ایک ملی نغمہ نے ماحول کو خوشگوار بنا دیا تھا۔ کمرہ بڑے سلیقے سے سجا تھا، چنگ پر ایک سوٹ کس کھلا پڑا تھا اور سرجن شاہ زیب کپڑے نکال نکال کر الماری میں رکھ رہے تھے، اس کام سے فارغ ہوتے ہی انہوں نے اپنے سامنے پڑی ہنسی مسکراتی تصویر کو دیکھا تھا جس پر یہ الفاظ کندہ تھے:

بابا کی کسی بات پر دھیان دے رہا تھا اور نہ ہی اپنے چھوٹے بھیا کیپٹن حماد کی باتوں کو سننا چاہتا تھا اور اس وقت تو اس نے حد ہی کر دی جب حماد کو سخت لہجے میں کہا کہ ”اب مجھے یہ آزاد وطن والا تجزیہ پیش کر کے، محب وطن بننے والی بلیک میلنگ بند کریں، یہاں ہے ہی کیا؟ بھوک؟ غربت؟ دہشت گردی..... خوف و ہراس..... آگ و خون کے دریا..... مستقل پریشانیوں کے آسیب؟ بس یہی نا؟“

”مگر بھیا، یہ وطن ہے ہمارا۔ کسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟ ہماری شناخت، ہماری پہچان، آزاد فضاؤں کا سرور ہم جیسے ناشکرے صبح معنوں میں بھلا کہاں محسوس کر سکتے ہیں؟ یہ تو کوئی غلام قوموں سے پوچھئے..... افسوس



پاکستان میں بسنے والی اوقات ملے تو غور کرو آزاد کی کتنی قیمت لی تھی پہرے داروں نے چھوٹی



چھوٹی قطعہ کاریاں

یوم آزادی

آج کے روز سے امروز ہے اپنا روشن
آج کے روز کی ہے شان الگ آن الگ
آج کا روز ہے تاریخ میں اک روز جدا
آج کے روز ملی قوم کو پہچان الگ

ظفر علی راجا

ماہنامہ "چھوٹی" نے بچوں کے مسائل میں نئی روایات قائم کرتے ہوئے یہ قطعہ
کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ معروف شاعر و دانشور و مکمل شعری ماہر
قطعہ کاریاں کریں گے۔ (مرتب)

چھوٹی چھوٹی باتیں

چھوٹی چھوٹی چیزیں اور باتیں کبھی کبھی بہت زیادہ اہمیت
افتخار کر لیتی ہیں۔ ایک ذرا سی کبھی گئی بات انسان کی کایا
پلٹ سکتی ہے۔ روپے کے ایک پلکے سے انداز کا شخصیت
پر اثر بہت گہرا بھی ہو سکتا ہے۔ بکلی سی مسکراہٹ کسی کے
دل کو نہانے کتنی مضبوطی دے سکتی ہے۔ ایک چھوٹی سی
بات انسان کو کسی بڑے عمل پر آمادہ کر سکتی ہے۔ اس کے
بند خول کو توڑ سکتی ہے، آنکھوں پر بندھی پٹی کو کھول سکتی
ہے، دل کے دافنوں کو دھو سکتی ہے۔ روح کی پراگندگی کو
دور کر سکتی ہے۔ ذہن کو جلا بخش سکتی ہے، سارے رنگوں کو
بدل سکتی ہے۔ کائنات کے معانی و مفہیم ہی الٹ
جاتے ہیں۔ سوچوں کا رخ تبدیل کر کے اسے اور راہ پر
لگا دیتے ہیں۔ جب آگنی نصیب ہو جائے، جب
عرفان حاصل ہو جائے تو انسان کا سفر صحیح سمت اختیار کر
لیتا ہے اور جہد مسلسل اس کو ہمیشہ کی کامیابی و کامرانی کی
طرف لے جاتی ہے۔

نبیلہ اقبال۔ راولپنڈی گیسٹ

☆☆☆

آزادی

آزادی سے بڑی کوئی نعمت نہیں۔

آزاد تو میں اپنا رہتا خود متعین کرتی ہیں۔

آزاد لوگ پروتار ہوتے ہیں۔

آزادی کو مضبوط ارادوں اور جدوجہد سے ممکن بنایا جاسکتا
ہے۔

آزادی مساوات اور برابری کا نام ہے۔

اس قوم کا ہر شخص آزاد ہوتا ہے جس کے حکمران انصاف
پسند ہوتے ہیں۔

آزاد مملکت کے لئے ضروری ہے کہ وہاں ہر شخص کو مکمل
آزادی حاصل ہو اور عدل و انصاف قائم ہو۔

جو لوگ ظلم کے خلاف آواز بلند نہیں کرتے وہ غلامی کی
زندگی جی رہے ہوتے ہیں۔

محمد ارجل شاہین انصاری۔ لاہور

☆☆☆

"کیشن حواد، تنفہ بصالت"

اور پھر تم آنکھوں سے ایک نظر کھلی ڈانری پر ڈالی جو سوٹ
کیس کے ساتھ ہی پڑی تھی، سامنے کھلے صفحے پر یہ الفاظ
جگمگا رہے تھے:

15 جولائی 2013ء

"بیگ سا خوشگوار موسم اور اس میں پھیلی خاک ولبو کی
مہک حیرت انگیز ہے، جانے یہ کیسی خوشبو ہے جو میں اس
وقت محسوس کر رہا ہوں، ایک عجیب سا جذبہ اندر تک
سرشار کر رہا ہے، یوں جیسے کوئی منزل بہت قریب ہو۔
آج ضربیہ مضرب ایک اہم آپریشن کیلئے جا رہا ہوں،
سوچا جلدی سے ڈانری لکھ لوں۔ جانے کیوں دل چاہ رہا
ہے کہ اپنے دل کی اگلی خواہش کو حوالہ قلم کروں.....
ہاں جی دل چاہتا ہے کہ مختصر اقصہ بیان کروں دو بھائیوں
کا، جنہوں نے اپنی زندگی جستی مسکراتی گزار دی، چھوٹا
بھائی ان لمحات کو کبھی نہ بھلا پائے گا بھیا! جب بچپن میں
وہ اور اس کا بڑا بھائی سبز جھنڈیاں لگایا کرتے تھے، پھر
پیکے باغ میں پھیلی مٹی کی خوبصورت بھینی خوشبو کو اپنے
اندر سمویا کرتے تھے کہ یہ ان کے وطن کی آزاد فضاؤں کی
خاک تھی، ان کے وطن کی خالص مٹی جس میں پیار ہی
پیار تھا، پھر اچانک کایا پلٹ گئی، بساط الٹ گئی، بڑے
بھیا نے آنکھیں پھیر لیں اور اس کا ساتھ اپنے وطن سے
ٹوٹنے لگا۔ ہاں بس یہی دکھ ہے کہ ایک احساس، ایک
جذبہ ٹوٹنے جا رہا ہے، بس یہی آج لکھتا تھا، میرے
خیال سے ہر تیاری مکمل ہو چکی اور اب مجھے بھی جانا ہے
..... ہاں جاتا ہے۔ شاید قرض چکانے..... ایسا قرض جو
نہ چکا جاسکے۔"

قطرہ السلام

کیشن حواد

شاہ زیب نے تم آنکھوں سے پھر یہ تحریر پڑھی، چوٹی اور
دھیرے سے کہا:

"دیکھ لو حواد میں نے ایک احساس ٹوٹنے سے بچالیا اور
آزاد فضاؤں کو دواغ نہیں بلکہ لیک کہہ دیا ہے۔"

فضا خوشگوار ہو گئی تھی۔ ملی نغمہ شاید اپنے آخری مراحل میں
تھا.....

اے میرے پیارے وطن تجھ پہ اگر جاں ہو غار
میں یہ سمجھوں گا، ٹھکانے لگا سرمائے تن
اے میرے پیارے وطن.....
باہر کھڑے بابائے آنکھوں سے مسکرا رہے تھے اور خیالوں
ہی خیالوں میں حواد بھی مسکرا رہا تھا۔



پاکستان میں بسنے والوں کو وقت سے تو غور کرو۔ آزادی کی کتنی قیمت کی تھی سپرے داروں نے



کھول رہا ہوں۔ مجھے دکھ ہوتا ہے جب تم میری بُرائی کرتے ہو۔ یاد رکھو کوئی ملک بُرا نہیں ہوتا اچھے یا بُرے اس میں رہنے والے ہوتے ہیں۔ تم میری بُرائیاں کرتے ہو۔ میرے نظام کو بُرا بھلا کہتے ہو۔ مگر جان لو کہ نظام بنانے والے تم ہی ہو اور تم ہی اس نظام کو بدل سکتے ہو۔ مجھے حیرت ہوتی ہے جب تم میرے سامنے قانون کی پاسداری نہیں کرتے اور بیرون ملک جاتے ہی مہذب بن جاتے ہو۔

مگر تم حیران ہو گے کہ اچھے مسائل بیماریوں کے باوجود میں زندہ ہوں۔ چند دانشور تو آئندہ چند سالوں میں مجھے ختم کرنے پر تلے ہیں۔ جانتے ہو میں زندہ کیوں ہوں؟ مجھے ابھی تک میرے سچے

پاکستانیوں نے زندہ رکھا ہوا ہے۔ مجھے اپنے ان پاکستانیوں سے پیار ہے جو کسی لالچ، اعزاز یا فائدے کی پرواہ کیے بغیر کم نامی سے میرا پرچم بلند کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔ مجھے ان سب سچے محبت وطنوں سے پیار ہے۔ کیا سب میرے اپنے سچے پاکستانی میرے جینے کی وجہ ہیں۔ انہی سب کی کوششوں نے مجھے قائم رکھا ہے اور مجھے گرنے نہیں دیتے۔ میں ناامید نہیں ہوں کیونکہ مجھے یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن تم سب اپنی کوتاہیوں کا ادراک کر لو گے کیونکہ تم ہو تو آخر پاکستانی ہی یعنی پاک صاف۔ میں تم لوگوں سے کاریں بنگلے یا دولت نہیں مانگ رہا میں فقط تم سے ذرا سی توجہ مانگ رہا ہوں۔ بس اک بار سنوارنے کی کوشش تو کرو۔ بس اک بار سچے دل سے مجھے سکھ دینے کی کوشش تو کرو۔ مجھے یقین ہے تم مجھے ناامید نہیں کرو گے کیونکہ تم میرے اپنے پاکستانی ہو۔

اگر ہے جزیہ فقیر زندہ تو پھر کس چیز کی ”تم“ میں کی ہے تمہارا خیر اندیش تم سب کا..... پاکستان

☆☆☆



تورید ہٹ

”السلام علیکم“

میں نہیں پوچھوں گا کہ تمہارا کیا حال ہے میں تمہارے حال سے بخوبی واقف ہوں۔ مجھے تو تمہاری حالت دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے۔ آج میں تمہیں اپنی حالت سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ اگست کے مہینے کا آغاز ہو گیا ہے۔ اگست کا مہینہ آتے ہی پہلے مجھے خوشی ہوتی تھی پر اب مجھے مایوسی ہوتی ہے۔ اس کی وجہ بھی

”پاکستان کا خط.....“ اپنے پاکستانیوں کے نام“

کے نہیں آئے ہو۔ تمہیں بھی ذبح خانوں سے نہیں گزرنا پڑا۔ کبھی پانی کی جگہ خون یا پسینہ نہیں چننا پڑا۔ جانتے ہو، مجھے میرے بابا جیٹا ایک اسلام کا قلعہ، اسلامی تجربہ گاہ بنانا چاہتے تھے۔ مگر آج اسلام کی پرچمائی بہت کم دکھائی دیتی ہے۔ مجھے رونا آتا ہے تم سب کی منافقت پر۔ مجھے تو دشمن نے جلدی ہی کھوکھلا کرنا شروع کر دیا تھا۔

ہاں! میں اسی دشمن کی بات کر رہا ہوں جسے میرے روشن خیال نوجوان اپنا دوست بنانا چاہتے ہیں۔ جب بھی ”امن کی آشا“ کی بات کرتے ہو جب میرے سامنے سارے شہداء کے چہرے آ جاتے ہیں۔ وہ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ان کی دی گئیں قربانیوں کا کیا یہی صلہ ہے؟ کیا انہوں نے اسی لیے اپنا لبوہ جان پیش کی تھی۔ میں تمہیں تمہاری ذمہ داری یاد کروانے کے لئے اپنا دل تمہارے سامنے

بتاؤں گا۔ اس سال میں پورے 67 سال کا ہو رہا ہوں۔ مجھے سارے منظر اچھی طرح یاد ہیں جو میرے قیام کے وقت وقوع پزیر ہوئے، میں تمہیں آج اپنی داستان سناؤں گا۔ شاید تم میں سے کوئی اپنے فرائض سے آگاہ ہو جائے شاید۔

میں اگست کی بات کر رہا تھا وہ شب مبارک کبھی میرے ذہن سے نہیں نکل سکتی۔ میں کبھی اس نوجوان کا چہرہ نہیں بھول سکتا جو میرے نام کا نعرہ بلند کرتے ہوئے دشمن کی کرپان پر چڑھ گیا۔ مجھے ابھی بھی ان بچوں کی سسکیاں سنائی دیتی ہیں جو مسلمان ہونے کی پاداش میں نيزوں میں پرو دیے گئے۔ مجھے ان سب بچیوں کا اٹھنا چہرہ یاد آتا ہے جو اپنی عصمتیں بچانے کی خاطر کنوئیں میں جا کودیں تھیں۔ تم سب میرے دکھوں کا اندازہ کر ہی نہیں سکتے۔ اندازہ کرو گے بھی کیسے آخر تم ”آزاد“ پیدا ہوئے ہو۔ کبھی ہجرت کر



پاکستان میں بسنے والے ہر پاکستانی کو غور کرو: آزادی کی کتنی قیمت لی تھی پہرے داروں نے

میرے کاروباری دوست، جو کچھ لکھوں کے لیے کچھ روایتی جملے بولیں گے اور بات ختم۔ میں بھی تو ایسا ہی کرتا ہوں۔ اور میرے ملازمین، جن کے سلام کا جواب دینا بھی میں اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہوں۔ وہ کہیں اور نوکری کر رہے ہیں۔

میرے گھر والے، جنہیں اگر فرق پڑے گا تو صرف یہ کہ ان کی ٹوٹ چھانے والی مشین خراب ہوگئی ہے۔ تو کیا..... وہ بھی میری طرح کوئی ایسا رستہ ڈھونڈ لیں گے جہاں پیسہ بارش کی طرح برستا ہے۔

اور جب پیسہ ہوگا تو وہ میرے لیے کیوں روئیں گے۔ شاید میری بیٹی..... انہیں لگا ان کے دل میں واقعی تکلیف ہونے لگی ہے۔ آج صبح ہی تو یہ سب ہوا تھا۔ انہوں نے کتنے دن بعد اپنی چھوٹی بیٹی کو دیکھا تھا۔ اور دیکھا بھی اس حال میں تھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

وہ ناشتے کی میز پر اکیلے بیٹھتے تھے۔ کہ ان کی بیٹی چلی آئی۔ ”ڈیڈی، میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔“ ”میں سے بھی پوچھنا چاہتی ہوں لیکن وہ تو یہاں ہیں نہیں، جب میں سرخاؤں گی تو کیا آپ روئیں گے، ڈیڈی؟“ اس نے ایک دم سوال کر ڈالا۔

”میں تو نہیں روئیں گی۔ میں کچھ دن کے لیے بلیک ڈریس پہنیں گی، شاید پارے سے سیدھا میک اپ کروالیں۔“

میرے بہن بھائی بھی نہیں روئیں گے، وہ بھی اپنی اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہیں گے۔ شاید فیس بک پر اپنا سٹیشن لکھ لیں۔ مانی سسٹم ڈیڈ۔

کیونکہ آنسو تو کسی احساس سے آتے ہیں۔ اور ہم لوگ انسان کے روپ میں رو پھنسے ہیں۔ جب انسان کے خون میں پیسے کی محبت گردش کرنے لگتی ہے تو وہ رو بوٹ ہی بن جاتا ہے۔ دولت کا مقناطیس، رشتوں کی کشش کمزور کر دیتا ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے جب احساس بھی نہیں ہوتا اور رشتوں کی ڈوری ٹوٹ چکی ہوتی ہے۔

آپ ڈیڈی، آپ کی بھی اس دن اگر میٹنگ ہوئی تو آپ کو نہ خیال آئے گا نہ وقت ملے گا اور اگر نہ ہوئی جب بھی نہیں.....“ روتے روتے اس سے بات جاری رکھنا مشکل ہو گیا تو علیزہ فاروق وہاں سے بھاگ آئی۔

اور ناشتے کی میز پر کوئی ”فادوق سکندر“ کو دیکھتا تو یہی سمجھتا کہ کوئی رو بوٹ ہے۔

☆☆☆

ایک عام سی شکل والا معمولی سے کپڑے پہنے والا انسان اس دنیا سے چلا گیا تھا۔ وہ ایک مشہور شخصیت تھا۔ امیروں میں بھی اور غریبوں میں بھی۔

امیر طبقہ اسے کسی حد تک اہم قرار، سائیکو سمجھتے تھے۔ جو زمین



صالحہ ارشد منہاس

”اور جب میں مردوں کا تو میرے لیے کون روئے گا؟“ انہیں کچھ دیر یوں لگا جیسے ہارٹ ایک ہے۔ یہ ایک تو تھا لیکن دل سے زیادہ دماغ پہ ہوا تھا۔ وہ دماغ جو عرصہ دراز سے کاروبار کے علاوہ کسی بھی دوسرے خیال کے لیے اپنے دروازے بند کر چکا تھا۔ وہ سوچتے ضرور تھے لیکن ان سب خیالات کا مرکز ”پیسہ“ ہوتا تھا۔ اور صرف خیالات کیا، ان کی تو زندگی کا مرکز بھی پیسہ تھا۔ ابھی تک ایسی نوبت نہیں آئی تھی کہ انہیں کچھ چاہیے ہو اور پیسہ ان کے کام نہ آئے۔ وہ سب خرید کر سکتے تھے۔ اور جب بندہ یہ سمجھ لے کہ وہ سب خرید کر سکتا ہے، تو انجانے میں ہی کسی، پیسے کو خدا سمجھ لیتا ہے۔ آف، یہ دولت کا نشہ انسان کو شرک تک پہنچا دیتا ہے۔

ان کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا، زندگی میں دولت کے پیچھے بھاگتے بھاگتے وہ بہت دور نکل آئے تھے۔ جو لوگ اندھا دھند بھاگتے ہیں، انہیں ٹھوکر بھی اتنے ہی زور سے لگتی ہے۔ ان کی نظر زمین پہ ہوتی ہی کہاں ہے۔ دنیا کے پیچھے بھاگتے بھاگتے جب انسان اللہ کے وجود سے، چاہے انجانے میں ہی کسی، بے نیازی برتا ہے تو اللہ اسی راستے کے، انسان کے پیروں میں روندے جانے والے، کسی معمولی ٹکڑے پتھر سے اسے رکھنے پہ مجبور کر دیتا ہے۔ وہ بھی

وہ سوال ہی ایسا تھا کہ جس کے جواب میں.....

”اور اگر میں.....“

ٹھوڑی دیر بعد چوٹ کا درد تو کہیں پیچھے رہ گیا جب وہ اس سوال کا جواب ڈھونڈنے نکلے۔ میری طرح میری بیوی اور بچوں کی زندگیاں بھی پیسے سے جڑی ہوئی ہیں۔ کتنے کتنے دن میری ان سے ملاقات نہیں ہوتی لیکن کسی کو کسی کی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ سب کی زندگیاں اپنے اپنے مدار میں ہیں۔ کسی کی کوئی دخل اندازی نہیں۔

میرے دوست سب کاروباری ذہنیت والے، بالکل میری طرح، قطع نقصان ذہن میں رکھ کر دوستی کرنے والے۔ باقی رہے میرے ملازمین، تو وہ کس کتنی میں آتے ہیں۔ میں ان کے لیے آسان پر چمکنے والا ستارہ ہوں۔ تو کون ہوگا جو میرے یعنی ”فادوق سکندر“ کے مرنے پر روئے گا، دکھ سے تکلیف سے۔

آج رکے تھے ٹھوکر لگی تھی۔ درد بھی تھا۔ لیکن یہ ہوا کیا تھا۔ باپ نے ساری عمر حرام کا تقعرہ میں جسے جانے نہ دیا۔ ماں کی دعاؤں نے ہمیشہ خیر کی چادر سر پر تانے رکھی۔ لیکن وہ رستہ بھٹک گئے۔ جانے کیسے۔ یہ انسان اپنے آپ سے سوال کرتا ہے۔ حالانکہ ”انتخاب“ اللہ نے انسان کے ہاتھ میں دیا ہے۔ اور بعد میں انسان بھول جاتا ہے کہ یہ رستہ خود اپنی مرضی سے چننا تھا۔ ابھی شاید وہ بھاگتے بھاگتے وہاں نہیں پہنچے تھے جہاں انسان ٹھوکر کھانے کے بعد توبہ کے دروازے کی طرف جاتا ہے تو وہ کھلتا نہیں۔ ماں باپ کی دعائیں مدد کو آ پہنچی تھیں شاید جو انہیں ابھی ٹھوکر لگ گئی، وہ رک گئے۔ رک گئے۔ یہ مجبور ہو گئے۔ بہت عرصے بعد اس لفظ ”مجبوری“ سے واسطہ پڑی گیا۔

ان کے راستے کا پتھر ایک جملہ تھا۔ وہ وہیں بیٹھ گئے۔



پاکستان میں رہنے والے لوگوں کے لیے تو یہ خبر ضرور ضروری ہے کہ اگر آپ کی زندگی میں بھی یہ سب سے بڑے واروں نے چھوڑ دیے ہوں



لوں۔ اور جب میں مر جاؤں تو میرے لیے بھی کوئی روئے۔ میری قبر پر آپ کے میرے لیے دعا کرنے کے لیے وقت نکالے۔

اور لگتا ہے۔ میں ایسا کرنے میں کچھ کامیاب ہو گیا ہوں۔ اپنے آخری وقت میں ان لوگوں کی آنکھوں میں اپنے لیے آنسو دیکھ رہا ہوں جن سے میرا خون رشتہ نہیں۔ شاید میرے مرحوم محسن کو بھی ایسی ہی اطمینان بھری خوشی ملی ہو جب اس نے ہم سے یہ سوال کیا اور ہم اس سے لپٹ کر روئے۔ میں بھی اس سوال کا جواب ڈھونڈنے نکلا تھا اور منزل پر پہنچ ہی گیا۔

میں نے ان سے وہ سوال کر ہی ڈالا، جس کے جواب کی تلاش میں ہی میں زندگی گزار رہا تھا۔ اور جب لگ رہا تھا کہ سفر ختم ہونے والا ہے تو مجھے اپنے سوال کا جواب بھی مل گیا۔

آنسو بھی کبھی کبھی لازوال خوشی دیتے ہیں۔ جیسے مجھے دے رہے ہیں۔ اس سے بڑی خوشی اور کوئی نہیں تھی۔ میں بہت سی آنکھوں میں اپنی زندگی میں ہی اپنے نام کے آنسو دیکھ رہا ہوں۔ یہ بچے میرے ساتھ لپٹے ہیں اور مجھے سکون دے رہے ہیں۔

میں 9 سال کا تھا جب اپنی سوتیلی ماں سے مار کھا کر باپ کے پاس گیا تو جواب میں بھی ماری کھائی۔ ماں تو تھی نہیں، باپ ہوتے ہوئے بھی نہیں تھا۔ کوئی پیار کرنے والا نہیں تھا۔ تب اس رات اس بچے نے روئے ہوئے اپنی ماں کو بہت یاد کیا۔ ماں ہوتی تو اس کی تکلیف پر رو پڑتی۔ اب کون تھا جو اس کے لیے روتا۔

”جب میں مر جاؤں گا تو میرے لیے کون روئے گا؟“ اس سوال نے میری زندگی بدل ڈالی تھی۔ مجھے اس کا جواب چاہیے تھا۔ اور مجھے اس کے جواب میں آنسو چاہیے تھے۔ آنسو، کتنے اہم ہوتے ہیں، یہ مجھے اس سوال سے پتہ چلا تھا۔

اس سوال نے کتنوں کی زندگیوں کو بدل دیا تھا۔ اور وہ اس کے جواب کی تلاش میں لکل کھڑے ہوئے تھے۔ جواب کی تلاش میں علیرہ فاروق بھی ہے اور فاروق سکندر بھی۔

اور پتہ نہیں یہ سوال کتنے لوگوں کو ٹھوکر بن کر لگا اور کتنے لوگوں کی زندگیاں بدلیں۔ سب کی کہانیاں مختلف ہوں بھی تو کیا، سوال ایک ہے۔ بات تو ساری جواب کی تلاش میں ہے۔ بات تو ساری کسی اور کی آنکھ میں اپنے نام کے آنسو کی ہے۔

کیا آپ کے ذہن میں کبھی یہ سوال آیا؟

☆☆☆

اس کی وجہ سے جیم خانہ کم اور ماضی زیادہ لگتا تھا۔ جہاں ضرورت کی ہر چیز انہیں مل جاتی۔ سب بچے سکول کا بھی جاتے تھے اور جو کام کرنے کی عمر میں تھے وہ کام کرتے تھے۔ لیکن ان میں سے کسی کے لیے بھی زندگی بوجھ نہیں تھی۔ اس شخص کے میری زندگی میں آنے سے پہلے میں نے کوئی خواب نہیں دیکھے تھے، زندگی کا وقت گزارنا تھا بس۔ نہ باپ کی شفقت تھی، نہ ماں کی دعاؤں کی چادر۔ اماں باپ گزر گئے تو رشتے دار یہاں چھوڑ گئے کہ سب کی اپنی اپنی مجبوریاں تھیں۔

پھر یہ شخص ان کی زندگی میں یوں آیا۔ کہ ان کی زندگیاں بدل گئیں۔ وہ صرف ان کی مالی مدد نہیں کر رہا تھا۔ وہ ان کے ماں باپ کی جگہ لے رہا تھا۔ صحیح غلط کی تمیز سکھاتا، ان کے لیے دعا نہیں کرتا، آگے بڑھنے کے لیے ان کا حوصلہ بڑھاتا۔ اس نے کبھی اپنے بارے میں بات نہیں کی تھی۔

سب اس کے بارے میں تجسس تھے۔ پھر ہمیں محسوس ہوا کہ وہ ہمارے رہنے لگا ہے۔ ایک دن جب وہ آیا تو ہمارے گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہم اس سے آخری بار مل رہے ہیں۔ اس نے ہمیں بہت ساری باتیں کیں، سب کے سر پر ہاتھ رکھ کر پیار دیا۔ اور چلتے چلتے اس نے ایک عجیب بات کہی۔

”مجھے تم لوگوں سے کچھ مانگنے کی ضرورت ہے، تم لوگ دو گے؟“

سب حیران سے تھے، بھلا ہم اسے کیا دے سکتے تھے۔ ”اگر تم لوگوں کو پتہ چلے کہ میں مر گیا ہوں..... تو کیا تم لوگ..... میرے مرنے پر روؤ گے؟“

اس کی آنکھیں اور لفظ دونوں ہی جھپکے ہوئے تھے۔ ہم سب اس کی بات سے ہل کر رہ گئے۔ پتہ نہیں کیا ہوا تھا،

ہم سب کے سب اس سے لپٹ کر روئے گئے تھے۔ اور جب کتنے دن وہ نہیں آیا اور ہمیں پتہ چلا کہ وہ اس دنیا میں نہیں رہا۔ تو ہم سب اس کے لیے بہت روئے۔ اس کو پتہ نہیں تھا کہ اگر وہ ہم سے یہ سوال نہیں بھی کرتا تو ہماری آنکھیں اس کے لیے ایسے ہی آنسو بہا تیں۔ جب دنیا میں ہمارا کوئی ایسا رشتہ ہمارے پاس نہیں رہا جس کو ہم کسی نام سے بلاتے تو خدا نے اسے بھیجا جس سے ہمارے رشتے کا کوئی نام نہیں تھا۔ پھر بھی دل میں اس کے نام کے بہت سارے آنسو تھے۔ جب وہ زندہ تھا تو ہم سے ملنے آتا رہا۔ جب زندہ نہیں رہا تو ہم اس سے ملنے جانے لگے۔ اس کی قبر پر خاموش آنسوؤں اور محبت بھری دعاؤں کی کمی نہ ہونے دی۔

پھر وہیں ایک دن قبرستان میں مجھے خیال آیا۔ اور میں نے سوچا میں بھی کچھ لوگوں کے دل میں اپنے نام کے آنسو بنا

پر چلا تھا۔ پیرا اس کے پاس بھی بہت تھا۔ لیکن پیرا اس کے لیے مقناطیس نہیں تھا۔ کیونکہ وہ پیرا خراج کرتا تھا، خراج تو امیر لوگ بھی کرتے ہیں، بلکہ وہ ہی خراج کرتے ہیں۔ اس کا مسئلہ یہ تھا کہ وہ پیرا دوسروں پر خراج کرتا تھا۔

اور اسی لیے وہ دوسروں یعنی غریبوں میں مشہور تھا۔ اس نے سکول بنوا رکھا تھا جہاں غریب بچے مفت تعلیم حاصل کرتے تھے، اگر وہ کام کرتے تھے تو پھر شام کی کلاسز پڑھتے تھے۔ ہسپتال بنوا رکھا تھا جہاں غریب بھی بڑے بڑے ڈاکٹروں کا دیدار کر سکتے تھے، بلکہ ان سے علاج کرواتے تھے۔ خواتین کے لیے اس نے ایک مرکز کھولا ہوا تھا کہ وہ غریب خواتین جنہیں سلائی کڑھائی آتی تھی، وہ وہاں یہ کام کرتی تھیں۔

یا جس بھی ہنر سے آگاہ تھیں، وہ اس سے اپنے گھر کی آمدن میں اضافہ کر رہی تھیں۔

علیرہ کو جب اس کے بارے میں یہ سب پتہ چلا تو اسے لگا کہ جیسے وہ کسی پریوں کی کہانی کا کردار تھا۔ سب کی مدد کرنے والا، سب کو خوش دیکھنے کی خواہش رکھنے والا۔ شاید اس لیے اللہ اسے جیسے اس طرح دیتا تھا کہ پیرا اس کے پیچھے اس طرح بھاگتا تھا جیسے باقی لوگ پیسے کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ اس کے کاروبار میں برکت تھی۔ اور وہ لوگوں کے لیے آسان پر چکنے والا ستارہ نہیں تھا۔ وہ یہیں زمین پر رہتا تھا ان کے ساتھ۔ ان سے باتیں کرتا تھا۔ ان کے دکھ سکھ بانٹتا تھا۔

علیرہ نے سوچا، اگر اس کے پاس پیرا نہیں بھی ہوتا تب بھی یہ سب لوگ اس کے اسی طرح گردیدہ ہوتے جیسے اب ہیں۔ پیرا تو اس کے ڈیڑی کے پاس بھی بہت ہے۔ لیکن لوگ اس کے ڈیڑی سے پیار نہیں کرتے۔

علیرہ کو اس کے بارے میں جاننے کا شوق تب ہوا جب وہ اس دنیا میں نہیں رہا۔ اس نے اپنے گھر کے ملازمین کو اس کے لیے روئے ہوئے دیکھا، اس نے ٹی وی پر لوگوں کو اس کے لیے روئے ہوئے دیکھا۔

اس کی اولاد نہیں تھی۔ لیکن اس کی قبر پر جا کر دعا کرنے والے بہت تھے۔ اس کے لیے آنسو بہانے والے بہت تھے۔

یہ اتنے سارے لوگ اس شخص کے مرنے پر کیوں رو رہے ہیں جس سے ان کا کوئی رشتہ بھی نہیں تھا اور یہاں آ کر علیرہ فاروق کو ٹھوکر لگی۔

”اور اگر میں مر گئی تو میرے لیے کون روئے گا؟“

☆☆☆

پتہ نہیں وہ کون تھا۔ ہمیں کبھی اس کا نام نہیں پتہ چل۔ کا۔ تھا تو انسان۔ لیکن اس کی عادتیں عجیب ہی تھیں۔ یہ جیم خانہ





آزادی کی کتنی قیمت لی تھی پہرے داروں نے



پاکستان میں ملنے والی اوقات طے تو غور کرو



ہدایت 6- مشق 7-
نشوونما

الفارابی کے مطابق اچھے اخلاقی اقدار اور طریقے تمام اچھی باتوں کو شامل کر کے حاصل ہوتے ہیں۔ الفارابی نے ہدایت کو خاص اور عام میں تقسیم کیا تھا اور اس کی وضاحت کی۔ الفارابی کے مطابق استاد "اچھے کردار لائق سے پاک صرف سچائی کا طلب گار ہوتا ہے اور طالب علم کا کام "علم کو جذب کرنا علم کو سمجھنا اور پھر وضاحت

ڈاکٹر محمد ارشد میٹیکل ڈائریکٹر اکیڈمی

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ صحابہ کرام کے بعد بہت سے مشہور سائنسدانوں نے دنیا کے لئے نئے مضامین، ایجادات اور علوم دیئے ہیں۔ لیکن دنیا ابو نصر محمد ابن الفارابی کو معلم جانی کے طور پر جانتی ہے۔ ہماری بد قسمتی ہے کہ مسلمان ان کے نام سے واقف نہیں ہیں۔ الفارابی 872ء کو فاراب افغانستان میں پیدا ہوئے اور 950ء کو دمشق شام میں فوت ہوئے۔ ان کے والدین ایران سے تھے اور والد جزل تھے۔ انہوں نے تعلیم فاراب، بخارا، بغداد اور مصر میں حاصل کی۔ انہوں نے علم کی تلاش میں دور تک سفر کیا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے علم حاصل کرو چاہے تمہیں چین بھی جانا پڑے۔ آپ بہت سی زبانوں کے ماہر تھے۔ آپ قاضی، استاد، سائنسدان،

الفارابی۔ معلم ثانی

12- کتاب التھمارہ

13- ارسطو کا ترجمہ

الفارابی نے فرمایا "انسانیت کا سب سے اہم مقصد خدا کے علم کو حاصل کرنا ہے" کیونکہ خدا کو جانے بغیر علم کی تکمیل نہیں ہے۔ جس کیلئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علی اور صحابہ کرام کو پڑھنا ضروری ہے۔ طالب علم علم کی پیاس میں وقت گزارے۔

الفارابی کو عرب الفلاطون فلسفہ کے ملاپ کا بانی کہا جاتا ہے جنہوں نے ارسطو اور الفلاطون کو پڑھا اور ان کے درمیان دنیا کی تخلیق، روح جزا دراز سزا کو خدا سے جوڑا۔ فلسفہ، پولیٹیکل سائنس اور سائنس کی ابتدا کا ذکر کیا ہے۔

ہر مسلمان سائنسدان بہت سی زبانوں کا ماہر اور بہت سے علوم کا بانی، سیاح، استاد اور سب سے بڑھ کر اسلام کے اصولوں پر پابند ہوتا ہے۔ مسلمان سائنسدانوں نے ہر ملک، استاد، قوم، ثقافت اور اقدار کا احترام کیا تاکہ دنیا میں امن اور علم کا فروغ ہو سکے۔ آپ بھی کوشش کریں کہ معلم جانی بنیں۔ ابن بطوطہ جیسے سیاح بنیں۔

میری والدہ حاجرہ فرماتی تھیں۔

ہر سائنسدان کو ہمارے میں اچھی اور شفیق ماں کا ہاتھ ہوتا ہے۔ انشاء اللہ پھول جیسے بچوں کی مائیں بھی آپ کو مشہور انسان بنائیں گی۔

☆☆☆

کرتا ہے" الفارابی نے منطق کو خیال اور ثبوت میں تقسیم کر کے آسانی پیدا کی۔ الفارابی نے 117 کتابیں لکھیں۔ جن میں کچھ کو مختلف یونیورسٹیوں میں انصاب کا حصہ بنایا گیا۔ مسلمان اپنے ملک میں یہ نہیں کرتے۔

1- کتاب الموسیقی: موسیقی کے طبی فائدے بتائے اور موسیقی کے آلات بھی بنائے۔

2- سفر حاسف

3- سفر طاہرات: اس کا ترجمہ یہودی زبان میں ہوا۔

4- المدینۃ الفعلا (ماڈرن شہر)

5- رسالہ ملحق

6- کتاب الحروف

7- کتاب احصاء العلوم

8- قیوس النجیم (فلسفہ)

9- کتاب الملج

10- الافض

11- لہجائی المدینہ

سیاح، فلاسفر، گرام دان، ماہر موسیات، طبیب، حساب دان، فرس، نفسیات، سوشیالوجی اور موسیقی کے ماہر تھے۔ اسی لئے ان کو معلم جانی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے چھ عہدہ خلفاء، السیاد، المقدد، البغی، المقصد القاہر اور الرضی کے دور میں سائنس اور علم کے لئے بہت سی خدمات انجام دی ہیں۔ عباسی خاندان کی بنیاد اصفاہ نے رکھی۔ انہوں نے سیف الدولہ حمدانی کے دربار میں بھی کام کیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ الفارابی نے اپنی زندگی علم میں صرف کی۔

ایجادات: الفارابی کے مطابق "تعلیم حاصل کرنا اصل میں علم، ثقافت، مہارت اور اہم مضامین کو حاصل کرنا ہے۔" ان کے مطابق تکمیل انسان تعلیم، ذہانت اور اخلاقی اقدار حاصل کرنے سے ہوتی ہے جو کہ اسلام کا اہم اصول ہے۔ درحقیقت تعلیم الفارابی کے سماجی نظریہ کا اہم مقصد ہے۔ انہوں نے تعلیم کے تصور کو مختلف الفاظ سے واضح کیا ہے۔

1- نظم و ضبط 2- تقویم 3- تربیت 4- رہنمائی 5-



پاکستان میں جسے دارالافتاء کے طور پر دیکھا جائے تو غور کرو۔ آزادی کی کتنی قیمت لی تھی پہرے داروں نے



سحرِ شان

ہر ملک کی اپنی پہچان، تہذیب، ثقافت اور دین کن ہوتا ہے جو اسے دوسرے ملکوں سے ممتاز اور مختلف کرتا ہے۔ ہمارا ملک پاکستان بھی بہت سی قربانیوں کے بعد وجود میں آیا۔

ہمارا ملک جس کا پورا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" رکھا گیا۔ جس کا کل رقبہ سات لاکھ چھیانوے ہزار چھیانوے مربع کلومیٹر ہے۔ موجودہ اعتبار سے یہ دنیا کا آبادی کے لحاظ سے چھٹا اور رقبہ کے لحاظ سے 36 واں ملک ہے۔

ایران، چین، افغانستان اور بھارت اس کے بڑی ممالک ہیں۔ اس علاقے میں مہرگڑھ اور وادی سندھ کی تہذیب نمایاں رہی۔ پرانے ادوار میں یہاں یونانی، ایرانی، عرب، ہندو، افغان حکمران رہے۔

14 اگست 1947ء کو وجود میں آنے والے اس ملک کا پہلا آئین 1956ء میں بنا۔ اس ملک کا قومی جانور ماریچور۔ قومی پرندہ چکور، قومی پھول یاسمین، قومی درخت دیودار، قومی کھیل باکی ہے۔

اردو اس ملک کی قومی اور انگریزی سرکاری زبان ہے اور بولی جانے والی زبانوں میں پنجابی 45 فیصد، سندھی 15 فیصد، سرائیکی 10 فیصد، اردو 8 فیصد، بلوچی 4 فیصد اور دیگر زبانیں 6 فیصد تک ہیں۔

یہ بھی ہمارے ملک کے متعلق کچھ معلومات اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ ہمارے ملک کے مشہور ملی نغمے۔

ملی نغمے کسی بھی ملک کی ثقافتی زندگی میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ ملی نغمے لوگوں میں اپنے ملک کے لئے ایک نیا جذبہ پیدا کرتے ہیں اور ملک پر جب بھی کوئی مشکل گھڑی آئے تو

یہ دلوں کو گرمادیتے ہیں۔ جیسے آج کل "ضرب عضب" جاری ہیں ملی نغمے اس موقع پر پاک فوج اور عوام کے اعتماد میں اضافہ کا سبب ہیں۔ ہمارے ہاں بہت سے ملی نغمے ایسے ہیں جو

”میرا پاکستان اور اس کے ملی نغمے“

یہ ملی نغمہ کل کی طرح آج بھی بہت مقبول ہے۔ یہ ملی نغمہ ایک الگ پہچان رکھتا ہے۔ اس ملی نغمے کے شاعر تھے۔ سرور انور اور اس کو گایا تھا شہناز بیگم نے۔ یہ ملی نغمہ آج بھی لوگوں میں ایک نیا جذبہ جگاتا ہے۔

6۔ اسے وطن ہم ہیں تیری شمع کے پردلوں میں زندگی جوش میں ہے جوش ہے ایمانوں میں یہ ملی نغمہ جوش ملیح آبادی جو کہ بہت بڑے شاعر ہیں، کا لکھا ہوا ہے۔ یہ نیمہ جوش صاحب نے فلم ”آگ کا دریا“ کے لئے لکھا اور مشہور گلوکار مسعود رانا نے گایا۔

7۔ دل پاکستان جان پاکستان جان پاکستان یہ ملی نغمہ جمید جمید نے گایا اور اس ملی نغمے نے بہت زیادہ عروج حاصل کیا۔ آج کل کے بچوں اور نوجوانوں میں یہ ملی نغمہ بہت مقبول رہا اور اب بھی ہے۔

یہ وہ چند ملی نغمے ہیں جو بہت زیادہ مقبول رہے اور بچہ بچہ کی زبان پر رہتے ہیں اس کے علاوہ بھی بہت سے ایسے ملی نغمے ہیں جو ہمارے دلوں میں وطن کی محبت اور قدر جگانے کا سبب بنتے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ اللہ ہمارے ملک کو ہر نئی نظر سے بچائے۔ ناگہانی آفات سے بچائے۔ یہاں امن کروں اور سب مل جل کر رہیں، آمین۔

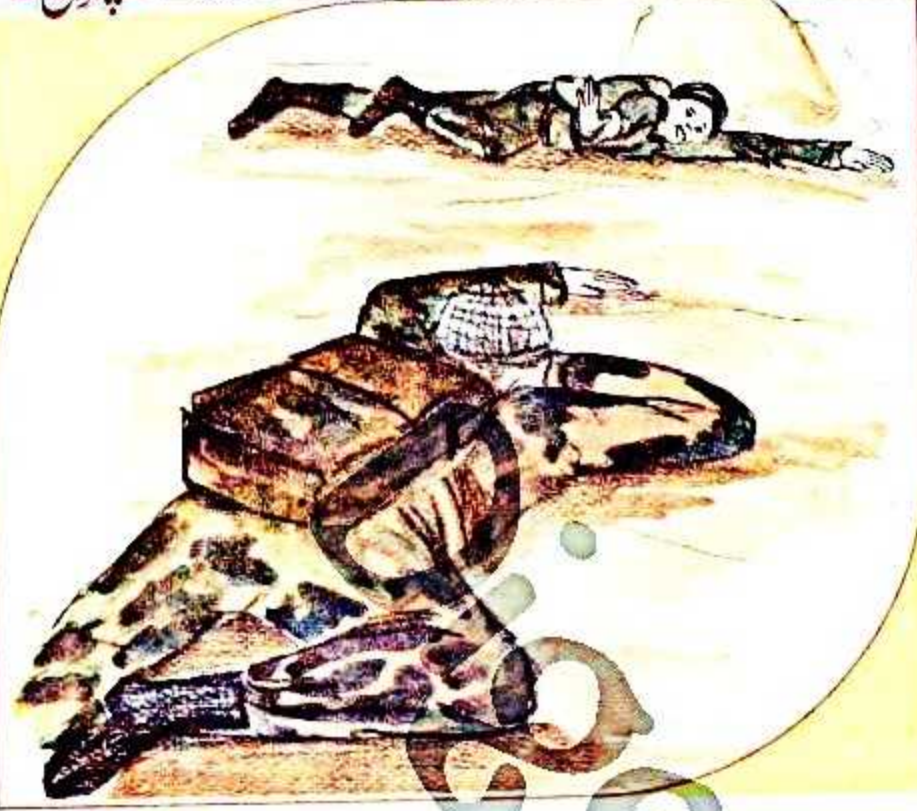
کافی عرصے پہلے لکھے اور گائے گئے لیکن آج بھی اسی طرح مقبول ہیں۔ آج ہم ان چند ملی نغموں کا ذکر کرتے ہیں جن کے بغیر ہمارے قومی تہوار اور حورے ہیں۔

1۔ چاند بیری زمیں پھول میرا وطن یہ ملی نغمہ ساتی جاوید نے لکھا اور اسے استاد امانت علی خان نے اپنی آواز سونپی۔ یہ نغمہ کافی سال گزر جانے کے باوجود بہت مشہور ہے اور قومی تہواروں پر بہت زیادہ سنا جاتا ہے اور گایا بھی جاتا ہے۔

2۔ جیوے جیوے پاکستان پاکستان پاکستان جیوے پاکستان من پچھی جب پنگو ملائے کیا کیا سر نکھرائے سنو والے سس تو ان میں ایک ہی دھن لہرائے یہ ملی نغمہ جیل الدین عالی کا لکھا ہوا ہے۔ اس ملی نغمے کے بغیر ہمارا کوئی بھی قومی دن جلسے 23 مارچ اور 14 اگست وغیرہ مکمل نہیں ہوتے۔ یہ گانا مشرقی پاکستان کی گلوکارہ شہناز بیگم کی آواز میں ریکارڈ ہوا۔

3۔ اپنا رستہ اپنی منزل اپنی دھوپ اور چھاؤں ایک خوشیاں سبھی آنسو سناجھے مگر کی گاؤں گاؤں ایک راوی، جہلم، سندھ، چناب اپنے سناڑے مضرب

پاکستان میں لکھنے والے اولاد سے ملے تو غور کرو کہ آزاد کی کتنی قیمت لی تھی پہرے داروں نے پھول



عشرت جہاں

”یہ میرا حکم ہے“ کرل جمیل خان کی آنکھوں میں سرد مہری اتر آئی تھی۔ ان کے گلے کی رگیں تن گئی تھیں۔ اب آخری فیصلے کا لمحہ آچکا تھا۔ سینئر ہونے کے ناطے انہیں حالات کے مطابق درست اور بروقت فیصلہ کرنا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ کپٹن ذیشان اور دیگر جوان احتجاج ضرور کریں گے اس لئے انہوں نے سرد مہری کا اظہار کیا۔

”آپ لوگ مہمان انجینئر زکوہر قیمت پر بحفاظت باہر نکالیں گے اور میں اور شیر خان کو فراہم کریں گے۔ اس مائی لاسٹ آرڈر میں آل۔“ کہتے ہوئے کرل جمیل نے نظریں گھمائی۔ اب بحث کی کوئی گنجائش نہ رہی تھی۔ کپٹن ذیشان اور چاروں دیگر جوانوں کو معلوم تھا کہ اب بحث فضول ہے۔ انکے پاس مناسب مقدار میں ایونیشن تھا جو اب خاتمے کے قریب تھا۔ دشمنوں نے انہیں بیس ایریا کے ایک حصے میں محصور کر دیا تھا۔ وہ سب

وہ ہر قیمت پر اپنا فرض نبھانا چاہتے تھے

نذرانہ

نکالا اور عقی دیواری کی طرف اچھال دیا زوردار دھماکہ ہوا اور دیوار میں اتنا سوراخ ہو گیا کہ وہ لوگ باہر نکل سکتے تھے۔ انجینئر زکوہر نکالنے سے پہلے ایک جوان نے جائزہ لیا کپٹن ذیشان کا رخ دشمنوں کی جانب ہی تھا۔ انجینئر زکوہر پہلے باہر نکلا گیا۔ اتنے میں گولیوں کی باز آئی کپٹن ذیشان کو کئی گولیاں لگیں۔ ساتھ ہی زبردست دھماکہ ہوا۔ کپٹن ذیشان کا ذہن اندھیرے میں ڈوبتا چلا گیا۔ پورے علاقے کو فورسز نے گھیرا ہوا تھا۔ چینی انجینئر زکوہر بحفاظت بکتر بند گاڑی میں سوار کر کے علاقے سے باہر نکال دیا گیا۔ وہ سخت سہمے ہوئے تھے۔ زخمیوں کو فوراً ہسپتال روانہ کر دیا گیا علاقے میں ایمر جنسی کی صورتحال تھی۔ کپٹن ذیشان کے والد بھی ریٹائرڈ فوجی تھے۔ ان کا حوصلہ یکھنے والا تھا۔ اگرچہ کپٹن ذیشان کے بچنے کی امید نہ تھی۔ مگر اس موقع پر انہوں نے بڑے حوصلے سے قوم کا سامنا کیا اور کہا کہ مجھے فخر ہے میرے بیٹے نے پیٹھ پر نہیں بلکہ سینے پر گولیاں کھائی ہیں اور یہ بھی کہ اگر ان کے دس بیٹے بھی ہوتے تو وہ انہیں بھی ملک و قوم پر قربان کر دیتے۔ سچ ہے جس قوم میں کپٹن ذیشان جیسے جاں نثار ہوں ان کے دشمنوں کو ہمیشہ مند کی کھائی پڑتی ہے۔ جوانوں کے بے جاں جسم اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ اپنے وطن کی آن بان اور شان کیلئے جب جب ضرورت پڑی تو زندگی کا نذرانہ پیش کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔

☆☆☆

کو یقین تھا کہ دشمنوں کی بڑی تعداد ختم ہو چکی ہے اور جو باقی بچے ہیں وہ آخری وار کے طور پر بھرپور حملہ کریں گے۔ تینوں جوانوں نے اپنے افسر کو زوردار سلوٹ کیا اور چینی انجینئر کو اپنی تحویل میں لے کر باہر نکلے۔ بارود کی بو ہر سو مچھلی تھی۔ تباہی کے آثار چپے چپے پر پھیلے تھے جوانوں کا خون کھول رہا تھا۔ اگر ان کے افسر کا حکم نہ ہوتا تو وہ اپنی آخری سانس تک لڑتے اور دشمنوں کو نیست و نابود کر دیتے۔ مہمان انجینئر زسردوں پر ہاتھ رکھے کھٹنوں کے بل جھک کر چل رہے تھے جبکہ تینوں جوانوں نے انہیں گھیرے میں لیا ہوا تھا۔ سب کے لبوں پر یہی دعا تھی کہ وہ اپنے ملک و قوم کی نظروں میں سرخرو ہو جائیں ان کے قریب ہی فائرنگ ہوئی اور دھول اور گرد کا بادل سا اٹھا۔ انہوں نے انجینئر زکوہر کی جانب دھکیلا اور خود سینہ پر فائرنگ شروع کر دی۔ انہیں دیکھ لیا گیا تھا۔ دشمن ایسی جگہ تھے کہ جہاں سے پورے علاقے پر نظر رکھ سکتے تھے۔ ادھر کرل جمیل اور ان کے ساتھی نے بھی فائرنگ شروع کر دی۔ کرل جمیل دشمن کو لاکار رہے تھے۔ ان کے لہجے کی محن کرج نمایاں تھی۔ کپٹن ذیشان نے پیٹھ کر بند

تو گویا مرنے کی ہی نیت سے آئے تھے مگر شدید ترین تباہی کی قیمت پر۔ آتے کے ساتھ ہی انہوں نے دو قیمتی طیارے تباہ کر دیئے تھے۔ بہت سے جوانوں نے شہید ہو کر باقی طیاروں کو تباہ ہونے سے بچایا تھا اور حملہ آوروں کو ہتھیار سے دور کر دیا تھا۔ وہ پانچ چینی انجینئر ز تھے جو بیس ایریا میں موجود تھے۔ جب دشمنوں کا حملہ ہوا تو کرل جمیل نے سب سے پہلے صورتحال کا ادراک کرتے ہوئے مہمان انجینئر ز کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ وہ دشمنوں کا ارادہ بھانپ چکے تھے۔ اتنی تباہی اور جوانوں کی شہادت کے باوجود انہوں نے مہمان انجینئر ز پر آج نہ آنے دی۔ تباہی کے ساتھ ساتھ مہمان انجینئر ز کو ختم کر کے دشمن دنیا کو باور کرانا چاہتا تھا کہ قوم مہمانوں کی حفاظت کے بھی قابل نہیں۔ کپٹن ذیشان سمیت ہر جوان شہادت کے جذبہ سے معمور تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ کرل جمیل خان چینی انجینئر زکوہر لے کر نکل جائیں مگر اپنے افسر کے حکم سے روگردانی نہیں کر سکتے تھے۔ اگلے ماہ کپٹن ذیشان کی شادی ہونے والی تھی وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا۔ کرل جمیل خان



پیشکش

آوازِ اُمی کی انتہی قیمت کی انتہی پہرے داروں نے



پاکستان میں بسنے والوں کو وقت سے ملے تو غور کرو



عیادت کے فضائل

☆ حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ مومن جب اپنے صاحب ایمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو وہ ایسے آنے تک وہ گویا جنت کے باغ میں ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم شریف)

☆ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی مریض کی عیادت کو جاؤ تو اس سے کہو کہ وہ تمہارے لیے دعا کرے۔ اس لیے کہ اس کی دعا فرشتوں کی مانند ہوتی ہے۔ (ابن ماجہ، مشکوٰۃ)

چار زینیں

☆ دنیا کی چار زینیں۔

1۔ والدین، 2۔ نیک اولاد، 3۔ نیک بیوی،

4۔ دانہ دوست

☆ آخرت کی چار زینیں ہیں۔

1۔ علم، 2۔ تقویٰ، 3۔ صدقہ، 4۔ حقوق العباد

☆ جسم کی چار زینیں ہیں۔

1۔ کم کھانا، 2۔ کم سونا، 3۔ کم بولنا، 4۔ کم ہنسا۔

☆ دل کی چار زینیں ہیں۔

1۔ مہربانی، 2۔ ذکر، 3۔ شکر، 4۔ غور و فکر

اردنی مطبعہ - کراچی

فرح اکرم

قاریں کی منتخب تحریروں سے جاریہ رنگ سلسلہ



دلچسپ، معلومات اور

رنگارنگ تحریروں کا گلدستہ

خوبصورتی کے لیے

یا خالق، یا مصور، یا جمیل روزانہ 100 مرتبہ پڑھ کر ہاتھوں پر پھونک مار کر چہرے پر پھیر لیں۔ کوئی کریم وغیرہ لگانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اگر چہرے کا کوئی بھی مسئلہ ہو ہاتھ پھیرتے وقت ذہن میں رہیں انشاء اللہ نوری نور ہوگا۔

فاطمہ رضوان اور شادیہ مریم۔ ڈیرہ اسماعیل خان

طلباء کی جدید دشمنی

☆ ایک لکڑی کا بنا ہوا ٹکیہ جس پر طلباء گھوڑے بچ کر سوتے ہیں۔

☆ ستر: جو تے اور سینڈل صاف کرنے کا آلہ۔

☆ تھن: دنیا کی واحد طاقت جو استاد کو کلاس سے باہر نکالتی ہے۔

خسان عالم - لاہور

معلومات عامہ

- حضرت امام حسینؓ کی والدہ کا نام حضرت فاطمہؓ تھا۔
- شہید کے لغوی معنی "مکواہی دینے والا" اور "پانے والا" کے ہیں۔
- حضرت امام حسینؓ 3 شعبان 4 ہجری کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔
- یزیدی لشکر کی تعداد 22 ہزار تھی۔
- حضرت امام حسینؓ کو کوئٹہ جانے سے پہلے عمر دین عبد الرحمن نے روکا۔
- حضرت امام حسینؓ نے تین شادیاں کیں۔
- واقعہ کربلا کا سب سے بڑا مجرم امین زیاد تھا۔
- کل شہداء کربلا کی تعداد 72 تھی۔

فرہ طارق بٹ - گوجرانوالہ

معلومات انبیائے کرامؑ

- ☆ حضرت آدمؑ نے زمین پر بھیجی باڑی کے پیٹے کو اختیار کیا۔
- ☆ حضرت آدمؑ نے خروج جنت کے غم اور غلطی کے افسوس پر دو سو سال آنسو بہائے۔
- ☆ حضرت شیثؑ کا نام شیث اس وجہ سے رکھا گیا کیونکہ آپ ہاتل کے غم البدل تھے۔
- ☆ لفظ شیث کا لغوی معنی ہے اللہ تعالیٰ کا حبیب۔
- ☆ حضرت ادریسؑ اور یونسؑ چونکہ درس دیا کرتے تھے ان کا نام ادریس ہوا اصلی نام اخنوخ ہے۔
- ☆ حضرت ادریسؑ کو ملائکہ نے تین سو (300) برس

نیک کام

- ☆ پڑھنا چاہے ہو تو نماز پڑھو۔
- ☆ نیکنا چاہے ہو تو ادب سیکھو۔
- ☆ رہنا چاہے ہو تو سادگی میں رہو۔
- ☆ چلنا چاہے ہو تو سیدھے راستے پر چلو۔
- ☆ چھوڑنا چاہے ہو تو بری عادتیں چھوڑو۔
- ☆ لکھنا چاہے ہو تو بیکھو۔
- ☆ جینا چاہے ہو تو دوسروں کے لیے جیو۔
- ☆ رقیہ حافضہ - محمد شریف

اقوال زریں

- ☆ علم اس حد تک سیکھو جس سے اعمال درست ہو جائیں۔
- ☆ جہاں بے عزتی ہو وہاں نہ جا۔
- ☆ کم بولنا عقلمندی ہے۔
- ☆ غرور سے آدمی کا دین ضائع ہو جاتا ہے۔
- ☆ مومن کا جھوٹ سے کوئی تعلق نہیں۔
- ☆ جس سے علم حاصل کرتے ہو اس کا احترام کرو۔
- ☆ علم ایسا بادل ہے جس سے رحمت برتی ہے۔
- ☆ کمزور وہ ہے جو اپنی خواہش پر قابو نہ پاسکے۔



پیشکش

یومِ اُردو کی اور عید الفکر مبارک

اپریل 2014ء

محمد ابو ہریرہ۔ علی ایہد جعفر

پہلے ہے کہ ریاضتیں جس نظریہ اور اصول پر قائم ہوتی ہیں انہیں جھٹلانے اور ان سے جان چمڑانے کی کوشش کے باوجود نظریہ ریاضت کی کٹی اور پانی، زمین کی شریاؤں میں، لبہ لہجہ میں اور ثقافت و سماج کی میں بہر حال موجود رہتا ہے۔ بحوالہ ”ہوئے تم دوست جس کے“ ڈاکٹر عظیم الحق حق۔

مرسلہ: عجیلہ اقبال۔ راہ اپنندی کی گونستہ

آقا ز کرو..... ہم اللہ کے ساتھ
وعدہ کرو..... ان شاء اللہ کے ساتھ
عمل کرو..... یقین کے ساتھ
سفر کرو..... توجہ کے ساتھ
کہو..... سوچ کر
آرام کرو..... اطمینان کے ساتھ
مقابلہ کرو..... ہمت کے ساتھ
محبت کرو..... انسانیت کے ساتھ
تولو..... ایمان داری کے ساتھ
کھاؤ..... اعتدال کے ساتھ
انتظار کرو..... صبر کے ساتھ
تقسیم کرو..... ایمان داری کے ساتھ
بحث کرو..... دلائل کے ساتھ
تمنا کرو..... امید کے ساتھ
غور کرو..... گہرائی کے ساتھ
بھلائی کرو..... فراخ دلی کے ساتھ

☆ شہادت ایک ایسا کھیل ہے جس میں خون کی بازی کائی پڑتی ہے۔
☆ شہادت ایک چاشنی ہے جس کی لذت صرف مومن خصوص کر سکتا ہے۔
☆ شہادت ایک ایسا پودا ہے جو صرف میدان جہاد میں کھتا ہے۔
☆ شہادت ایک ایسا پرندہ ہے جو صرف میدان جہاد پرڑتا ہے۔
☆ شہادت ایک ایسا راستہ ہے جو سیدھا جنت جاتا ہے۔
☆ شہادت ایک ایسا مڑہ ہے جسے پا کر انسان اس کی منت میں بھی تنہا کرتا ہے۔
☆ شہادت ایک ایسا چراغ ہے جو صرف خون سے جلا ہے۔
☆ شہادت ایک ایسی روشنی ہے جو صرف پروانوں کو ملتی ہے۔
☆ شہادت ایک پھول ہے جو خوش قسمت انسان کو ملتا ہے۔
☆ شہادت ایک ایسا مقام ہے جسے پا کر انسان اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔

صبا شوکت۔ گوجرانوالہ کینٹ

○ کسی شخص کے دل میں ایمان اور حسد اکٹھے نہیں رہ سکتے۔
○ جو شخص اپنی قدر آپ نہیں کرتا اس کی قدر کوئی دوسرا نہیں کرتا۔
○ شخص کے گھر میں رہنے والوں کو دوسروں پر پتھر نہیں پھینکنے چاہیے۔
○ سیاح کا ایک قطرہ لاکھوں انسانوں کو غور و فکر کی راہ دکھا سکتا ہے۔
○ ایک عام سالار کی طاقت ایک لاکھ جاہلوں سے زیادہ ہوتی ہے۔
○ خوش کلامی خوش اخلاقی ایک ایسا پھول ہے جو کبھی نہیں مرجھاتا۔
○ کسی کی تعریف نہ کرو بلکہ اسکے اچھے طریقے اپنائو تاکہ تم تعریف کے قابل بن جاؤ۔

٣

علم انسان کی سب سے قیمتی دولت ہے جسے کوئی چاہ نہیں
سکتا بلکہ یہ دولت جس قدر خرچ کی جائے اتنی ہی بڑھتی
ہے۔ علم اصول خزانہ ہے۔ علم نور ہے۔

آصف حمید - شکرگزار

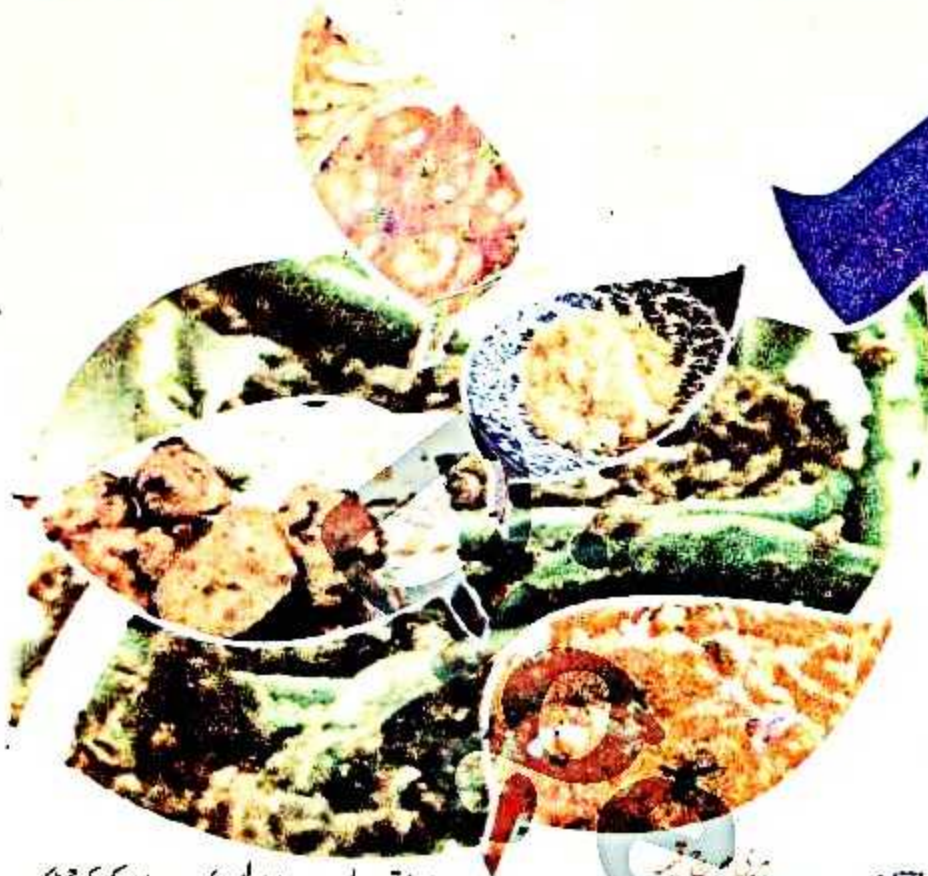
○..... دنیا کا مال زندگی کے آرام اور سکون کے لئے ہے
نہ کہ زندگی مال جمع کرنے کے لئے۔
○..... جو نئی صحبت میں بیٹھتا ہے اس کی سوچ کبھی
اچھی نہ ہوگی۔
○..... کتا دنیا کی ذلیل ہستی شمار ہوتا ہے مگر حق شناس کتا
ہا شکرے انسان سے بہتر ہے۔
○..... حاسد کے لئے بددعا کرنے کی ضرورت نہیں وہ تو
پہلے ہی حسد کی آگ میں جل رہا ہوتا ہے۔
○..... دشمن کے ساتھ بے موقع نرمی کرنا اسے شیر بنانا
ہے۔
○..... دس آدمی ایک دسترخوان پر اکٹھے بیٹھ کر کھا سکتے
ہیں مگر دو کتے ایک مردار کو مل کر نہیں کھا سکتے۔

محمد عبدالغفار اعجاز۔ مہیاں چنوں

پاکستان میں بسنے والوں کو ملنے والے فوائد اور برکات کی تفصیل سے باخبر رہیں۔



چائے نوش کرنا



پھل کے کلوے (صاف / پھل کے ہونے) ایک کلو، گرم مصالحہ ایک کھانے کا چمچ، دہی چار کھانے کے چمچ، نمک حسب ذائقہ، کریم تین کھانے کے چمچ، لیموں کا رس دو کھانے کے چمچ، اورک لبسن کا پیسٹ چار چائے کے چمچ، پودینے کی چٹنی تین تا چار کپ، اجوائن آدھا چائے کا چمچ، نشین چاول کا آٹا چار چائے کے چمچ، سفید مرچ کا سفوف آدھا چائے کا چمچ، زیرہ کا سفوف دو چائے کے چمچ، گھسن / تیل تین کے لیے۔

ترکیب

دہی، کریم، اورک لبسن کا پیسٹ، اجوائن، سفید مرچ، زیرہ کا سفوف، گرم مصالحہ، نمک، لیموں کا رس، پودینے کی چٹنی کو یکجا کر لیں۔ پھر پھل کے کلوں کو اس آئینے میں ڈال کر دو سے تین گھنٹے پرارہے دیں۔ پھر کلوں کو پیسٹ پر لگا کر اوون میں 8 سے 10 منٹ تک بھونیں اس دوران ایک بار چکنا کریں، کئے ہوئے پیاز سے سجاکر پیش کریں۔

گاجر کا زردہ

چاول (آبلے ہوئے) آدھا کلو، گاجر کش کی ہوئی تین عدد درمیاں، چٹنی آدھا کلو، دودھ آدھی پیالی، کھویا آدھی پیالی، پیسے آدھی پیالی، ناریل (کش کیا ہوا) حسب پسند، کوکنگ آئل آدھی پیالی۔

ترکیب

گاجر کو فرائنگ پن میں پھیلا کر ریمیں اور درمیاں آٹے پر پکاتے ہوئے اس کا پانی خشک کر لیں۔ پھر چاول، گاجر اور چٹنی کو دھوئیں میں تقسیم کریں۔ پن میں دو سے تین کھانے کے چمچ کوکنگ آئل ڈالیں اور اس میں ایک تہہ چاول کی، ایک گاجر کی اور ایک تہہ چٹنی کی، اوپر سے دو کھانے کے چمچ دودھ ڈالیں پھر اسی مل کو دوبارہ ہرا لیں۔ توڑے پر رکھ کر شروع میں تین سے چار منٹ آٹے درمیاں ریمیں پھر ہلکی آٹے پر دس سے بارہ منٹ دم پر رکھ دیں۔ چولے سے اتار کر اس میں کوکنگ آئل ڈال کر پانچ منٹ ڈھک کر ریمیں۔ گاجر کا زردہ تیار ہے۔

سمجھاوت: اچھی طرح ملا کر ڈش میں نکالیں اور ناریل، پستہ اور کھویا چھڑک دیں۔ گرم گرم گاجر کے زردے کا سردیوں میں لطف اٹھائیں۔

جائے تو چولے پر سے اتار لیں پھر پستہ بادام کتر کر چھڑک دیں۔

قیمہ بھرے نماز

اجزاء

قیمہ آدھا کلو، نماز آدھا کلو، انڈہ ایک عدد، کھی حسب ضرورت، ڈبل روٹی کا چورا تھوڑا سا، پیاز دو عدد، پارک کٹا ہوا، لبسن اورک پیسٹ چار چائے کے چمچ، گرم مصالحہ حسب ضرورت، پیاز ہوا، ہری مرچ حسب ذائقہ، لال مرچ حسب ذائقہ، نمک حسب ذائقہ، آٹا حسب ضرورت۔

ترکیب

نمازوں کے اندر کا گودا اور پیس نکال دیں۔ آدھی مقدار کھی ڈال کر پیاز لال کر کے نکال لیں پھر اس میں قیمہ بھونیں چند منٹ بعد لال مرچ، نمک، گرم مصالحہ، لبسن اورک پیسٹ کھی ڈال دیں اور دم پر رکھیں۔ دس منٹ بعد چٹنی کو چولے سے اتار کر اس میں ہری مرچ اور کھی ہوئی پیاز ملا کر نمازوں میں بھر دیں۔ اب ان کے منہ میں آنے کی سخت تہہ سے بند کرنے کے بعد ان پر دھاک لپیٹ دیں۔ ہاتی کھی فرانی پن میں ڈال کر اور نمازوں کے منہ پر انڈے میں ڈپ کیا ہوا ڈبل روٹی کا چورا لگا کر انہیں ہلکا سا تیل لیں۔ جب یہ حصہ سرخ ہو جائے تو نمازوں کے اندر کا گودا اور پیس نکال دیں۔ آدھی مقدار کھی ڈال کر پیاز لال کر کے نکال لیں۔ پھر اس میں قیمہ بھونیں چند منٹ بعد لال مرچ، نمک، گرم مصالحہ، لبسن اورک پیسٹ کھی ڈال دیں اور دم پر رکھیں۔ دس منٹ بعد چٹنی کو چولے سے اتار کر اس میں ہری مرچ اور کھی ہوئی پیاز ملا کر نمازوں میں بھر دیں۔ مزید اربعہ بھرے نماز تیار ہیں۔

بکریے کا گنے کا قیمہ آدھا کلو، کھی ہوئی کالی مرچ حسب ذائقہ، پیاز ہوا، لبسن اورک ایک کھانے کا چمچ، نمک حسب ذائقہ، بھنا ہوا سفید زیرہ آدھا چائے کا چمچ، بھنا ہوا دھنیا آدھا چائے کا چمچ، پیس ہوئی ہلدی آدھا چائے کا چمچ، پیاز (چپ کی ہوئی) ایک عدد، ہری مرچ (پارک کٹی ہوئی) پانچ عدد، ہرا دھنیا (پارک کٹا ہوا) سجانے کے لیے، تیل تین کھانے کے چمچ۔

ترکیب

دیکھی میں تیل گرم کر کے اس میں لبسن اورک ڈال کر چند منٹ پکا لیں اس میں ہلدی، دھنیا، سفید زیرہ، نمک اور کالی مرچ ڈال کر قیمہ گنے اور خشک ہونے تک پکا میں پھر اس میں ہری مرچ شامل کریں اور کچھ مزید پکانے کے بعد ڈش میں نکال لیں، مزے دار قیے کو اورک اور ہرا دھنیا سے سجاکر پیش کریں۔

انڈہ چل کا حلوہ

انڈے دس عدد، چٹنی آدھا کلو، کیڑا ذرا سا، کالی مرچ چند عدد، کھی حسب ضرورت۔

ترکیب

انڈوں کو ایک برتن میں توڑ کر اچھی طرح پیسٹ لیں اور اس میں کھی کھی ڈال دیں اب دھوئیں کو اچھی طرح کس کر لیں۔ پھر ان کو کسی دیکھی میں ڈال کر پکا میں کھی بھرا چلاتے رہیں تقریباً 20 سے 30 منٹ پکا کر چٹنی ڈال دیں اور کھی ملائے رہیں تاکہ مرکب دیکھی میں نہ لگے دانے دار حلوہ جب بن

PAKSOCIETY



آزادی کی کتنی قیمت لی تھی پہرے داروں نے پھول



پاکستان میں لکھنے والے اور وقت طے تو غور کرو



پھول



إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے آبروئے صحافت مجید نظامی کا انتقال ایک تاریخ ساز عہد کا خاتمہ

محمد شعیب مرزا

خدا شہ تھا کہ اب ”نوائے وقت“ کہیں وقت کی دھول بن کر نہ رہ جائے۔ ایسا ممکن بھی تھا اگر ”نوائے وقت“ نااہل لوگوں کے رحم و کرم پر رہ جاتا لیکن قدرت مہربان تھی کیونکہ اس پودے کو جناب حمید نظامی نے اپنے خون جگر سے سیخا تھا لہذا جناب حمید نظامی کے چھوٹے بھائی جناب مجید نظامی نے

آبروئے صحافت، نظریہ پاکستان کے علمبردار، محبت وطن پاکستانی اور میٹنگ ڈائرکٹر ”نوائے وقت“ کے سردار مجید نظامی رمضان المبارک کی ستائیسویں شب 86 برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان کی وفات سے ایک تاریخ ساز عہد کا خاتمہ ہو گیا۔ انہوں نے ایک باوقار اور با اصول انسان اور جرأت مند صحافی کے طور پر زندگی گزاری۔ ہر طبقے میں ان کا احترام پایا جاتا تھا۔ ان کے انتقال پر صدر، وزیراعظم، گورنر، وزراء، اعلیٰ و وزراء، سیاسی قائدین اور تمام شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد نے اظہارِ فسون کیا ہے۔

23 مارچ 1940ء کو جہاں حصول پاکستان کی جدوجہد کے نئے دور کا آغاز ہوا وہاں ”نوائے وقت“ کے جرائے ساتھ ہی صحافت کے ایک نئے اور تابناک مرحلے کی ابتدا بھی ہوئی۔ جناب حمید نظامی نے اپنے اخبار کو ”نوائے وقت“ ہی نہیں نوائے مسلم بھی بنادیا اور ہر صغیر حصے مسلمانوں کی ترجمانی اس انداز سے کی کہ برصغیر کے مسلمانوں کے سالار اعلیٰ قائد اعظم

64 سال گزر جانے کے باوجود حصول پاکستان کے مقاصد نہیں حاصل ہو سکے

جناب حمید نظامی کی وفات کے بعد خدا شہ کہ ”نوائے وقت“ کہیں وقت کی دھول ہی نہ بن جائے

جناب حمید نظامی نے ایک پودے سے پورا گلشن بنادیا

جناب حمید نظامی نے ہر جاہر سلطان کے سامنے کلمہ حق بلند کیا

”پھول“ کا اجراء ان کی دوراندیشی کا منہ بولتا ثبوت ہے



دباؤ برداشت کیا۔ کئی مرتبہ ”نوائے وقت“ کے اشتہارات بند ہوئے لیکن انہوں نے ہر جہر کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اسی لئے انہیں آبروئے صحافت سمجھا جاتا تھا۔ انہوں نے ہمیشہ پاکستان کو قائد اعظم اور علامہ اقبال کے تصور کے مطابق ڈھالنے کی بات کی۔ پاکستان کے دوخت ہونے کا دکھ انہیں بے چمن رکھتا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ قیام پاکستان کے مقاصد بھی پورے نہیں ہوئے۔ کشمیر کو حاصل کیے بغیر پاکستان کی تکمیل ممکن نہیں۔ جناب حمید نظامی نے تعمیر پاکستان کیلئے جدوجہد کی تھی۔ جناب حمید نظامی تکمیل پاکستان کیلئے کوشاں رہے

دیا۔ بظاہر لگتا تھا کہ وہ حادثاتی طور پر صحافت میں آئے ہیں لیکن اپنی صلاحیتوں اور کارکردگی سے انہوں نے ثابت کیا کہ وہ فطری طور پر صحافی ہیں۔ صحافت کے اصولوں، تقاضوں اور نزاکتوں کو سمجھتے ہیں۔ وہ لندن سے ”نوائے وقت“ کیلئے ڈائری بجھوایا کرتے تھے۔ جناب حمید نظامی نے ان کی اس انداز سے تربیت کی تھی کہ وہ مستقبل کیلئے اپنا چائین تیار کر رہے تھے۔

جناب حمید نظامی نے روایات کی پاسداری کے ساتھ ساتھ ”نوائے وقت“ کو جدید تقاضوں کے مطابق جدت اور ندرت سے آراستہ کیا۔ پھر ہفت روزہ ”نمائے ملت“ کا اجراء کیا۔ آبرو اخبارات و جرائد میں پاکستان کی نظریاتی اساس کی پاسداری کسی حد تک بوری تھی لیکن انگریزی اخبارات میں اس حوالے سے بہت خلا موجود تھا۔ انگریزی کے دلدادہ اور

محمد علی جناح نے جناب حمید نظامی اور ”نوائے وقت“ کی خدمات کو کئی مرتبہ ستائشی کلمات سے نوازا۔

عام تاثر یہی ہے کہ ادارے تنظیمیں یا جماعتیں کسی ایک شخصیت کی قیادت کی بنا پر کامیابی و ترقی کی منزلیں طے کرتی ہیں اور اس شخصیت کے بعد محمود یا حقیر کا شکار ہو جاتی ہیں اور اگر وہ اپنا سفر جاری رکھیں تو اپنے مقاصد اور راستے سے ہٹک جاتی ہیں۔ قائد اعظم پاکستان بننے کے فوراً بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور 62 سال گزر جانے کے باوجود ہم حصول پاکستان کے حقیقی مقاصد نہیں حاصل کر سکے۔ لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فی قیادت نہ صرف اپنے پیش رو کی روایات کی پاسداری کرتی ہے بلکہ بہت سی نئی درخشندہ روایات بھی قائم کرتی ہے۔

جب جناب حمید نظامی وفات پا گئے تو خیر خواہوں کو



پاکستان میں رکھنے والا وقت ہے تو فوراً کر دو آزادی کی کتنی قیمت کی تھی پہرے داروں نے

یوم آزادی

آزادی کا سورج چکا آؤ خوشی منائیں جس سے چمکے پیار محبت ایسے نئے گائیں پاکستان کا اُجلا چہرہ میلا نہ ہو یارو دنیا اس کو دیکھنے آئے ایسا روپ سنوارو افراتفری دہشت گردی مل کر دور بھاگیں جس سے چمکے پیار محبت ایسے نئے گائیں گلشن گلشن وادی وادی ایسے پیار بکھیریں نقرت کے بیجوں کے آؤ بیٹے آج اُدھڑیں امن پسند ہے قوم ہماری دنیا کو دکھلائیں جس سے چمکے پیار محبت ایسے نئے گائیں جس نے ہم کو نام دیا جس نے دی پہچان بعد از اللہ ہم ہی تو ہیں اس کے نگہبان سوتی سوتی اس دھرتی کی سارے خیر منائیں جس سے چمکے پیار محبت ایسے نئے گائیں گھات لگائے بیٹھے ہیں دشمن آج ہمارے رکھتے ہیں ٹاپاک ارادے سوچ اسکے بارے وطن ہمارا جان سے پیارا آؤ انہیں بتائیں جس سے چمکے پیار محبت ایسے نئے گائیں

چوہدری عبدالخالق - لاہور



میں تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں جو پورا مہینہ جاری رہتی ہیں۔ بازاروں میں قومی پرچم، جھنڈیاں اور بیجوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ غرضیکہ ہر جگہ گہماگہمی ہوتی ہے۔ 13 اگست کی شام تمام دفاتر اور بڑی بڑی عمارتوں کو رنگ برنگی جھنڈیوں اور برقی روشنی کی جھالروں سے سجایا جاتا ہے۔ قومی پرچم لہرائے جاتے ہیں۔ ٹی وی اور ریڈیو پر قومی ترانے اور ملی غنوں کی دھنیں نشر کی جاتی ہیں۔ 14 اگست کا دن ہم سے یہ عہد لیتا ہے کہ ہمیں ہر حال میں یکجا ہو کر ملک و قوم کی تعمیر و ترقی میں حصہ لینا ہے۔



آزادی کی قدر کیسے کی جاسکتی ہے؟

مطہم علی

کہ ہمارے لیڈر سیاسی ہوں، غیر سیاسی یا کسی بھی شعبہ کے لیڈر ہوں 14 اگست والے دن باتیں بہت اچھی کرتے ہیں۔ اگر وہ ان اچھی باتوں کا شخص 10 فیصد اثر قبول کر کے کچھ اچھے کام کر لیں تو ہمارے وطن عزیز اور اس کے عوام کی کیا پلٹ جائے۔ دوسری طرف ہماری قوم کے افراد کا بس یہی حال رہ گیا ہے کہ 13 اگست کی رات کو دیواروں پر روشنیاں اور موسم بیاں روشن کر ڈالیں۔ 14 اگست کی صبح سبز ہلالی پرچم لہرایا۔ کیا ہمارا صرف یہی مقصد رہ گیا ہے کہ ہم اپنے وطن عزیز کی سلامتی کا اسی طرح حق ادا کر سکتے ہیں؟ ہر دور کے سیاستدانوں اور حکمرانوں نے 14 اگست کے دن کی لالچ رکھنے کے بلند و بانگ دعوے کئے مگر 67 برس آزادی کے گزر جانے کے باوجود ان پر آج تک صدق دل سے عمل نہیں ہو سکا۔ آج ہمارا ملک دہشت گردی کا ہنگامہ ہے۔ دوسری طرف پاکستان کی ترقی اور خوشحالی کے لئے خصوصی دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ جس طرح ایک ہو کر وطن حاصل کیا اسی طرح ہمیں منظم ہو کر ترقی یافتہ بھی بننے کا عہد کرنا چاہئے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم 14 اگست ایسے دن کی اہمیت کو سمجھیں۔ آزادی جیسی نعمت کی قدر کریں کوئی وجہ نہیں کہ ہم ترقی کے دور میں کسی سے پیچھے رہ جائیں۔

آزادی کے معنی یہ ہیں کہ انسان آزاد پیدا ہوا ہے۔ ہمارا فلسفہ آزادی وہ ہے کہ ہم آزاد پیدا ہوئے اور آزاد زندگی گزارتے ہیں۔ بحیثیت شہری اپنی آزادیوں پر نظر ڈالیں تو اپنی تمام تر سستی اور کالی کے سبب ہم اس حقیقت کو عملی جامہ نہیں پہنا سکے۔ تحریک پاکستان کے مطالعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قومیں ہمیشہ افراد کے یقین محکم، عمل جہم اور ان تھک کوششوں سے بنی ہیں اور وہ قوم نہایت ہی خوش قسمت ہے جس کے فرزند اصول فرض شناس، جفاکش اور باہت ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ اخلاقی اقدار کی دولت سے سرشار ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ قائد اعظم کی رہنمائی، عزم و یقین کے سائے تلے ہم نے آزادی حاصل کی اور ہر سال 14 اگست ہمیں برصغیر کے لوگوں کے پختہ ارادے کی یاد دلاتا ہے کہ جب لوگوں نے آزاد وطن حاصل کیا۔ نتیجتاً قرارداد پاکستان منظور کی گئی اور تحریک آزادی کے سلسلے میں پاکستانی عوام کراچی اور لاہور میں قائد اعظم کے مزاروں پر پھول چڑھاتے ہیں۔

اسلام آباد میں 14 اگست کے دن کا آغاز ایوان صدر، پارلیمنٹ ہاؤس کی خوبصورت تقریبات سے ہوتا ہے۔ ماہ اگست کے پہلے دن سے شہر شہر گل گل، گاؤں گاؤں

تعمیر وطن کے لئے سر جوڑ کے نکلو

تعمیر وطن کے لئے سر جوڑ کے نکلو تحریک کے ہر پہلو سے منہ موڑ کے نکلو انھو کہ نئے رنگ سے تعمیر اٹھائیں گلشن کے لئے موسم گل کھینچ کے لائیں ہر حلقہ زنجیر ریا توڑ کے نکلو تعمیر وطن کے لئے سر جوڑ کے نکلو ہے دور نیا اور نئی سوچ کے دھارے چمکیں گے اخوت کے نئے چاند ستارے مایوسی کی مسموم فضا چھوڑ کے نکلو تعمیر وطن کے لئے سر جوڑ کے نکلو مسلم تو ہیں بھائی نہ سندھی نہ بلوچی وہ ذہن غلط جس نے بھی یہ بات ہے سوچی تفریق من و تو کانفوں توڑ کے نکلو تعمیر وطن کے لئے سر جوڑ کے نکلو



حاجی مولف کوکمر

مکے کے بچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نئے نئے کپڑے دکھا رہے تھے۔ وہاں ایک بچہ تھا جس کے کپڑے پرانے تھے تو آپ ﷺ نے اس بچے پر خصوصی شفقت فرمائی۔ میں اس وقت سے اس سنت پر عمل کرنے کے لئے ہر سال یہاں آ کر بیٹھ جاتا ہوں کہ میں ایسے کسی بچے کو ملوں تو میں اس بچے کو پیار کر دوں۔ تو وہ بچہ مجھے آج تیری شکل میں مل گیا ہے۔ آج میں بہت خوش ہوں میں نے اپنے پیارے نبی پاک ﷺ کی سنت کو زندہ کیا ہے۔ تیرے یہ پرانے کپڑے میرے لئے ذرق برق لباسوں سے کہیں زیادہ خوب صورت ہیں۔ اللہ تم پر راضی ہو اور تم بھی اللہ سے راضی رہو۔



وہ ایک خاص مقصد کے تحت وہاں بیٹھے تھے

پہیلیاں

(1) ہم سوئیں وہ جاگے
اسے دیکھ کے چور بھاگے

(2) ہر گھر میں پائی جائے
سردی سے بچائے

(3) ایک منہ تین بازو والا دوست ہے میرا
سردیوں میں جدا ہو جائے گرمیوں میں پھیرا

(4) سردی گرمی ہارش اور دشمن سے بچائے
سوچ کے بولو بچو کونسا نام ذہن میں آئے

(5) اپنے گھر کے فرنیچر پہ نظریں ڈال کے سوچو
چڑیا گھر کو خیال میں اپنے لا کر بھی ذرا دیکھو
دور بہت ہی دور شہر سے کھل پھیلی ہو جھو

(6) مانگ کی روشنی سے روشن کرے جہاں
نام اسکا لکھے بچے کو لوری سنائے ماں
جواہات

1- پہرے دار 2- رضائی 3- پنکھا 4- گھر 5- جھگ
6- چاند

کوثر خالد۔ جڑوالا

ایک سنت کی خاطر

باد جود وہ روزوں کا انکار کر رہا تھا لیکن رمیض کو اپنے پیارے آقا حضرت ﷺ کی پیاری سی بات یاد آگئی کہ جب کسی جاہل سے واسطہ پڑ جائے تو اسے سلام کر کے کھل جاؤ۔

عید کا دن آیا تو مکے میں ایک بزرگ رہتے تھے۔ وہ عید کی نماز پڑھ کر اپنے دروازے کے سامنے کرسی پر بیٹھ جاتے اور سب بچوں میں عیدی تقسیم کرتے جو بچہ بھی آتا اس کو عیدی دیتے۔ رمیض کو ایک طرف کھڑا دیکھ کر انہوں نے خود ہی آواز دی۔ بیٹا ادھر آؤ تم بھی آ کر عیدی لے لو۔ رمیض شرماتا ہوا آگے بڑھا۔ انہوں نے کہا کیوں بیٹا ہم سے ناراض ہو آگے کیوں نہیں آ رہے تھے؟ تو رمیض نے کہا میرے کپڑے پرانے تھے۔ یہ سب بچے آپ کو اپنے نئے کپڑے دکھا رہے تھے۔ میں اس لئے آگے نہیں آ رہا تھا۔ انہوں نے کہا دیکھو بیٹا میں ایک دن مسجد میں گیا تو امام صاحب بیان فرما رہے تھے۔ اس گئے دور میں جو کوئی ایک سنت زندہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے سو شہیدوں کا ثواب دے گا۔ میں سوچ میں پڑ گیا کہ ایسی کوئی سی سنت ہے جو عام نہ ہو تو مجھے وہ واقعہ یاد آ گیا جب عید کے دن آپ سرکار ﷺ گھر سے نکلے تو

احسان اپنے دوست رمیض کو اپنی عید کی تیاری بتا رہا تھا۔ میرے ابو نے مجھے عید کے لئے نئے کپڑے اور نئے جوتے لا کر دیئے ہیں۔ میری امی نے بہت سارے پکوان پکا کر فرنیچ میں رکھ دیئے ہیں۔ احسان نے اپنی بات ختم کی اور رمیض سے پوچھا، پیار کیا تم نے نئے کپڑے خرید لئے؟۔ رمیض نے کہا نہیں پیار بھی تو نہیں خریدے۔ ضروری تو نہیں اگر نئے کپڑے نہ ہوئے تو عید نہ ہوگی۔ ہمارے پیارے آقا ﷺ پرانے کپڑوں میں بھی عید کر لیا کرتے تھے۔ ہماری زندگی کا مقصد نئے کپڑے پہننا اور کئی کئی پکوان کھانا نہیں بلکہ ہمیں چاہیے کہ اپنی زندگی کو نبی پاک ﷺ کی زندگی کے مطابق گزاریں۔

احسان بولا، ہاں یار جن کے پاس کچھ نہیں ہوتا وہ ایسی ہی باتیں کرتے ہیں اور جن کے پاس کچھ کھانے کو نہ ہو وہ روزہ رکھ لیتے ہیں۔ دیکھو ہمارے گھر میں کوئی بھی روزہ نہیں رکھتا۔ میری امی کہتی ہیں روزے غریب لوگ رکھتے ہیں اور عید امیر لوگ مناتے ہیں۔ رمیض کو احسان کی باتیں بری لگ رہی تھیں۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ احسان کو ایک تھپڑ رسید کر دے۔ روزے فرض ہونے کے

پاکستان میں بسنے والوں کو ملے ہوئے حقوق و فرائض اور آزادی کی کتنی قیمت کی تھی پہرے داروں نے پھول



مسکراہٹیں

☆☆☆
مطلب
ایک شخص دوسرے سے I am going کا کیا مطلب ہے؟
دوسرا شخص: میں جا رہا ہوں۔
پہلا شخص: ایسے نہیں جانے دو گا پہلے مطلب بتا۔

☆☆☆
جوتا
ایک آدمی جوتوں کی دکان پر جا کر لڑنے لگا۔ جب دکاندار نے لڑنے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ آپ نے کہا تھا کہ جوتا ایک سال نکالے گا۔
دکاندار: تو کیا ہوا،
گاہک کل چوری ہو گیا۔

صباح شکت۔ گوجرانوالہ

☆☆☆
نسیولین کا قول
استاد بچوں سے: بچوں نپولین کا قول ہے کہ اگر تم میز چل سکتے ہو تو دیر سے چلو، اگر دیر سے نہیں چل سکتے تو رینگنے لگ جاؤ، پر اپنا سطر جاری رکھو۔
ایک بچہ: وہ تو لٹیک ہے لیکن جانا کہاں ہے؟

خدیجہ مدثر

☆☆☆
فیسیں
مریض ڈاکٹر سے: میں کچھ کھا سکتا ہوں۔
ڈاکٹر: جی ہاں مریض فیس کے علاوہ سب کچھ کھا سکتے ہو۔
مریض: دکاندار انصاری۔ لاہور

☆☆☆
بے وقوف
پہلا دوست: آج میں اپنی بیوی کو ڈالنے کو بے وقوف بنایا۔
دوسرا دوست: وہ کیسے؟
پہلا دوست: میں نے 100 روپے کا اپنی بیوی کو ڈال دیا اور گھر لٹا دیا۔

ارم شاہنواز۔ کراچی

☆☆☆
ایک فقیر نے ایک شخص کے گھر کے باہر صدائی کی کہ میں اللہ کا مہمان ہوں۔
ایک شخص نے اس کا بازو پکڑا اور سیدھا سہارا میں لے گیا اور بولا: یہ اللہ کا گھر ہے تم غلط ہے پر بھی گئے تھے۔

☆☆☆
مینہا
بچہ ایک پارک میں بیٹھا ایک کے بعد ایک ٹافی کھا رہا تھا۔
پاس بیٹھا ایک شخص بولا: جوڑیادہ ٹٹھا کھاتا ہے وہ جلد مر جاتا ہے۔
بچہ: آپ کو معلوم ہے میرے دادا کی عمر سو سال ہے۔
وہ آدمی: ٹٹھا کم کھاتے ہوں گے؟
بچہ: نہیں وہ اپنے کام سے کام نہ رکھتے ہیں

☆☆☆
لکڑی
ماں بیٹے سے: دھوپ میں کیوں گھوم رہے ہو؟ سوکھ کر لکڑی بن جاؤ گے۔
بیٹا: تو کیا سب لکڑیاں پہلے لڑکے تھے۔

محمد عمر اعجاز۔ میان چنوں

☆☆☆
سمجھداری
حامد: یار تم اپنے دوستوں کو ہر خوشی کے موقع پر کبوتر کیوں دیتے ہو؟
عمر: اس لئے کہ وہ دوسرے دن اڑ کر میرے پاس واپس آ جاتے ہیں۔

ممتاز حمید سلطان

**JIM SIM
STICK**

GOFY



Mix Flavor

پھول پاکستان میں ملنے والی طاقت ہے تو غور کرو۔ آزاد کی کتنی قیمت لی تھی پھرے داروں نے پھول

سائنس کی دنیا

سوال
.....
.....
نام ولدیت
مکمل پتہ
فون نمبر

پھول بڑا مقبول اتصالات کی برسات

جوابات کونز کی دنیا

1 2 3
4 5
نام ولدیت
مکمل پتہ
فون نمبر

صفحہ بتائیے

یہ ہیں صفحات کے نمبر:

1 2 3 4 5
نام ولدیت
مکمل پتہ
فون نمبر

پھول فورم



تصویر

نام
تاریخ پیدائش
مشاغل
مستقبل کے ارادے
"پھول" نے آپ میں کیا تبدیلی پیدا کی
مکمل پتہ
فون نمبر

زبردست جملہ

جملہ
نام ولدیت
مکمل پتہ
فون نمبر

تین بہترین کہانیاں

1- کہانی مصنف
نام ولدیت
مکمل پتہ
فون نمبر

جوابات دار السلام کونز

نام ولدیت
عمر تعلیم
مکمل پتہ
فون نمبر
(جوابات الگ کاغذ پر لکھ کر کوئین کے سر اہجرا کریں)

• ہر مسئلے کیلئے الگ الگ کوئین پر کرنا اور ہر کوئین میں نام و مکمل پتہ لکھنا ضروری ہے۔
• کوئین کاٹ کر الگ الگ کر کے گھوا میں ادا ہے تمام کوئین ایک ہی لفافے میں بھجوانے چاہئے ہیں۔
• جوابات کیلئے کوئین پر چھڑکے ہوئے الگ الگ صفحہ استعمال کیا جاسکتا ہے لیکن کوئین ہمراہ بھجوانا ضروری ہے۔
• کوئین ہر ماہ کی 10 تاریخ تک مل جائے چاہئے ورنہ قرعہ اندازی میں شامل نہیں کئے جائیں گے۔

پاکستان میں بسنے والی اوقات طے نہ غور کرو



گھاس بی بی صبح سے ہی کافی خاموش اور کم سم سم سم صاف پتا چل رہا تھا کوئی بہت خاص بات ہے لیکن ان کی عزت و احترام اور بڑا سمجھتے ہوئے کوئی بھی ان سے بات کرنے کی جرات نہیں کر رہا تھا۔ مغرب کی جانب سے اچانک کالے سیاہ بادل آسمان پر نمودار ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف چھا کر موسلا دھار بارش کا سبب بنے۔ ہر طرف ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی بظاہر انسان، چرند، پرند سب خوشی سے لطف اندوز ہونے لگے۔ گرم موسم میں بارش کسی بڑی خوشی سے کم نہیں ہوتی۔ اس کا اثر ہر کسی پر اپنے اپنے طور ہوتا ہے۔ جہاں انسانوں نے شہروں میں نام نہاد ترقی کے نام پر ہر طرف توڑ پھوڑ، بجری، سینٹ، ریت کے انبار لگا رکھے ہیں کہ سڑکیں، پل، عمارتیں بنانا چاہتا ہے۔ اپنی سہولت آسانی کے لیے، چاہے اس میں اس کی اپنی بھی آسانی اتنی نہ ہو جتنی کہ وہ گمان کر کے بیٹھا ہے۔

بارش کے قطرے ہر طرف گر رہے تھے۔ گرد آلود درخت، گھاس، عمارتیں، سڑکیں، گھر، دکانیں الغرض ہر چیز جیسے دھلتی جا رہی تھی۔ برستے بادل آپس میں سرکشی کرنے لگے، ایک گھرے

ان کی باتیں غور سے سنیں۔

اس میں آپ کا بھی فائدہ ہے۔

نئے موسم کی سحر

قدرے افسردگی سے بولا۔ ”میں نے آج سفیدے کے درخت اور سرو کے درخت کی گفتگو سنی ہے، وہ انسانوں سے سخت تنگ ہیں۔ ان کی اتنی محنت اور اپنی زندگی کے بدلے بھی انسان ان کے ساتھ بہت برا سلوک کرتے ہیں۔ اور آج شام کو ان سب کا کوئی خاص اجلاس ہونے والا ہے۔ جو ہو سکتا ہے کوئی بہت بڑی تبدیلی کا سبب بنے۔ سب لوگ شام کا انتظار کر رہے ہیں۔ گھاس بی بی کے ساتھ کوئی بہت خاص واقعہ ہوا ہے جس کی بنا پر آج اچانک ان کو اجلاس بلانا پڑا ہے اور سب چرند پرند اس کی تیاری میں لگے ہیں اور ایک دوسرے کو اس کی خبر دے رہے ہیں۔

سرمنی بادل نے اچانک فیصلہ کیا کس بارے میں جان نہیں لے گا بلکہ جب تک وہ اس اجلاس کے بارے میں جان نہیں لیتا اس کی پوری ہمدردی چرند، پرند کے ساتھ ہے۔ یوں آہستہ آہستہ سرمنی اور دووہیا بادل کی کبھی ہوئی باتوں کی سرگوشیاں سارے بادلوں کے درمیان ہونے لگیں اور دل ہی دل میں وہ انسان کے خلاف نفرت کرتے ہوئے اپنے بارش کے پرستے ہوئے ایک جانب کو ہونے لگے۔

جیسے ہی شام کے ستارے نے اپنی آمد کی خبر سب کو دی۔ گھاس بی بی کی جانب سب کا رخ ہونے لگا۔ اور اب کسی کو کچھ کہنے اور سمجھنے کی ضرورت بھی نہ پڑی جب سب نے

کرتے ہیں اور اس کے لیے نہ شکر ٹھیک سے ادا کرتے ہیں اور نہ ہی کوئی نکاح کا صحیح انتظام کرتے ہیں۔ میں تو آج ان انسانوں سے سچ میں بہت مایوس ہوا ہوں۔ کچھ دیر پہلے تم نے غور سے دیکھا کہ گھاس بی بی آج کتنی دھمی اور پریشان دکھائی دے رہی تھی۔ آج تم نے محسوس کیا، کوئی درخت ہوا آپ کا ساتھ نہیں دے رہا، کوئی پھول بارش کے قطرے پڑنے کے بعد مسکرا نہیں رہا۔ غور سے دیکھو آج تو پرندے بھی چپ کر کے بیٹھے ہیں۔ سب بہت دھمی دکھائی دے رہے ہیں۔“

سرمنی بادل نے دووہیا بادل کی جانب حیرت زدہ ہو کر دیکھا۔ ”لیکن تمہیں کیسے پتہ چلا یہ سب؟“ دووہیا بادل

سرمنی بادل کے کھڑے نے بارش برساتے ہوئے اپنے ساتھ والے ہلکے دووہیا بادل سے کہا، ”یاد رکھو کیوں اتنی کھنسی سے برس رہے ہو؟ دیکھ نہیں رہے گرمی سے سب لوگوں کا کتنا برا حال تھا اور اب سب کے چہروں پر کتنی مسکراہٹ ہے، ہر کوئی خوشی سے آسمان کی طرف دیکھتا ہے اور ایسے میں میرا سینہ خوشی اور فخر سے اور چوڑا ہو جاتا ہے۔“ دووہیا بادل نے اس کی طرف افسوس کی نگاہ سے دیکھا اور کہا۔ ”بھائی اگر تمہیں برائے لگے تو ایک بات کہوں۔ آج سچ کہوں تو میرا اس زمین میں بسنے والے انسانوں پر برسنے کو بالکل دل نہیں کر رہا۔ انسان بہت خود غرض ہیں۔ جب ان کو مطلب ہوتا ہے تو رب سے ہمارے آنے کی دعا

پاکستان میں لکھنے والے ادیبوں کی فہرست لی تھی پہلے داروں نے چھوڑ

حصہ لیتے ہوئے بولے۔ ”پیارے بھائیو اور بہنو! ابھی تک تو ہم انسان کی زیادتی کا ہی ذکر کر رہے ہیں جو وہ ہمارے ساتھ کرنا آ رہا ہے۔ یہ تو ہم سب کو معلوم ہے لیکن آپ سب لوگ بھول رہے ہیں کہ آج کے اجلاس کا مقصد یہ تھا کہ ہمیں اس کا مثبت حل تلاش کرنا ہے اور انسان کو کیسے احساس دلانا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ ساتھ اپنے ساتھ بھی زیادتی نہ کرے اور اس زمین کو ہم دونوں کے لیے صاف اور بہتر بنائے۔ شکوے، شکایت کرنا تو ازل سے انسان کا کام رہا ہے۔ کیا ہم بھی ان کے ساتھ رو کر یہ کام عملی طور پر شروع کر رہے ہیں؟“ گلاب کے پودے نے سوالیہ نظروں سے سب کی طرف دیکھا تو بہت سے چہرے اس نے شرمندہ اور نام نہانے۔ ایک طرف سے ہوا آتا لہراتے ہوئے بولی۔ ”ہرگز نہیں!“ اور اس کے پیچھے پیچھے سب کہنے لگے ”نہیں، بالکل نہیں۔“ ہمیں انسان کی مدد ہی طرح کرنی چاہیے جیسے ہمارے بزرگ کرتے چلے آ رہے ہیں بلکہ اس حالت میں تو ہمیں اور زیادہ مدد کرنی چاہیے لیکن کیسے؟؟؟ یہ آپ لوگ بتائیں۔ کچھ قاصدے پر گئے مونسے کے پودے نے کہا۔ ”ہاں ابھی اس زمین پر کچھ اچھے انسان بستے ہیں، ہمیں ان کی خاطر اپنی جانوں کی قربانی دے کر ان کی مدد کرنی چاہیے۔ کل ہی کی بات ہے، دن ایک بچے ایک سکول کا طالب علم اور اس کا والد میرے قریب سے گزرے۔ اس کے والد کے ہاتھ میں پانی کی بوتل تھی جو شاید وہ خالی کرنا چاہ رہا تھا اس نے جیسے ہی پانی میرے اوپر ڈالنا شروع کیا۔ اس کے بچے نے کہا۔ ”ابا جان، ہماری سائنس کی ٹیچر نے بتایا ہے کہ دن کے وقت پودوں کو پانی نہیں دینا چاہیے۔ اس سے وہ جل کر مر جاتے ہیں۔ اور ساتھ ہی اس کے والد نے پیار سے بچے کے گال کو چھوا اور اپنے عمل سے رک گیا۔ گھاس بی بھی کہنے لگی۔ ہمارا کام بھی تو یہی ہے ہر جگہ انسان کے لیے سبزہ بچانا، اسے ٹھنڈک دینا۔ جہاں جہاں ممکن ہو ہریالی کرنا کہ اس سے ماحول میں کچھ تو بہتری آئے۔“ آسمان پر بادل کے ٹکڑے بھی جمع ہو کر سب سن رہے تھے۔ سب پرندے، جانور، درخت، پودے مل کر عہد کر رہے تھے کہ انسان ہمارے ساتھ کتنا بھی برا کرے ہمیں اپنی جبلت پر رکتے ہوئے اس کو سہولت ہی دینی ہے۔ ہمیں خود کو زندہ اور طاقت ور ظاہر کر کے ماحول انسان کے لیے خوشگوار بنانا ہے کہ نہ کہ ہم ہی تو نئے موسم کی بحر ہیں اور ساتھ ہی بادل کے ٹکڑے زور سے گر رہے، جیسے خوشی کا اظہار کر رہے ہوں اور ایک بار پھر سے بارش کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

پاس ہی چوٹی ادب سے ہنسی ہوئی تھی۔ اس نے گھاس بی سے اجازت طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں نے ایک بار ایک انسان سے سنا تھا کہ حضرت عرفا روق کا قول مبارک ہے کہ جب تم کھانا کھانے کے بعد کھلی بھی کرنے لگو تو وہ بھی ایسی جگہ کرو جہاں کوئی چوٹی وغیرہ ہوں کہ وہ اس میں سے ذرات، اپنی خوراک حاصل کریں۔ لیکن آج کا انسان تو نام نہاد ترقی کے نام پر ہمیں صرف مارنا چاہتا ہے۔ ان کی وجہ سے آج ماحولیاتی آلودگی اپنے عروج پر ہے اور ہمارے بہت سے جانور اور پودے صرف ماحول کی سختی کی وجہ سے اپنی جان سے ہاتھ دھو رہے ہیں۔“ کو چاہا بھی اپنی چونچ کو زمین پر مارتے ہوئے اپنی باری میں بولنے کے لیے گھاس بی سے اجازت چاہ رہا تھا اور اجازت ملتے ہی بولا۔ ”مجھے انسان کبھی بھی اچھا نہیں سمجھتا ہمیشہ چالاک، دلائی کے نام سے منسوب کرتا ہے لیکن میں نے پھر بھی انسان کا برا نہیں چاہا۔ آج سے کچھ سال پہلے تک انسان گھروں کی چھتوں پر چاول، روٹی کے ٹکڑے اور باجرے کے دانے ہمارے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ ہم وہ کھاتے اور اس گھر والے کے لیے دعا بھی کرتے۔ لیکن مجھے بہت افسوس ہے کہ پڑ رہا ہے کہ آج کا انسان ترقی کے نام پر اپنے بزرگوں کا یہ کام بھی بھولتا جا رہا ہے۔ اس کے خیال میں ہم ان کی چھت اور دیواروں پر گندگی کا باعث بنتے ہیں۔ انسان اپنی مصروفیت اور تنگ دلی کی وجہ سے آج ہمیں دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ ہماری اڑان تو خدا کی دی ہوئی اڑان ہے، کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔ ہم بھی ذکر الہی کرتے ہیں۔ کبھی غور سے انسان سے تو ہم سمجھدار ہیں۔ ہم تو اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اللہ، اللہ، اللہ لیکن انسانوں کے پاس ہمیں سننے کی فرصت نہیں۔“

آکھوں سے کئی، ٹوٹی پھوٹی گھاس بی کو دیکھا۔ (جو انسانی علم کا شکار ہوئی تھی) کہ آج صبح سے ہی وہ کیوں اتنی کم مضم تھی۔ بہت احترام کے ساتھ ان سے کچھ قاصدے میں کھڑے سفیدے کے درخت نے کہا ”گھاس بی سلام! اجازت ہو تو عرض کرنا ہے کہ ہمیں بہت افسوس ہے کہ سفاکی انسانوں نے آپ کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ لیکن وہ تو سب کے ساتھ بھی اچھا نہیں کر رہے۔“ جیسے رہو، گھاس بی نے ہمیشہ کی طرح مدہم سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔ ”میرے پیارے بچو! مجھے اس چیز کا دکھ نہیں کہ آج میں کیوں کٹ گئی۔ میں کافی عرصے سے انسانی بدلتے رویے کو دیکھ رہی اور محسوس کر رہی ہوں۔ وہ اپنی آج کی سہولت کے لیے جس طرح ہم سب کو استعمال کر رہا ہے آج سے پہلے کبھی ایسا اتنی شدت سے نہ کیا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ سال 2009ء کو انسانوں نے ماحولیات کے سال کے طور پر منایا تھا لیکن عملی طور پر نہ تب کچھ کیا اور نہ اب کر رہا ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ ہمیں بچائے اور ہمارا تحفظ کرے وہ تو ہم سے بالکل غافل ہوتا جا رہا ہے۔ اس میں ہمارا فائدہ کیا ہے ہم تو اپنی زندگیوں ان انسانوں کے لیے پہلے سے ہی وقت کر رہے ہیں۔ پہلے ہمارے باپ، دادا نے کیا اور ہم اب کر رہے ہیں لیکن انسان کو اس کا احساس دلانا اب ہمارا فرض ہے اور آج کے اجلاس کا مقصد بھی یہی ہے کہ جو نارا داسلوک انسان ہمارے ساتھ کر رہا ہے اس کی شدت کو وہ کم کرے۔“

گھاس بی نے جیسے ہی بات مکمل کی تو چھوٹی چڑیا بھی فریاد کرنے لگی کہ ”انسان نے ماحول اتنا آلودہ بنا دیا ہے کہ مجھے اپنے بچوں کے لیے نہ تو صاف پینے کا پانی ملتا ہے اور نہ صحت بخش غذا۔“ گلشن جو چھوٹی چڑیا کے ساتھ بیٹھی تھی بولی۔ ”میں نے اپنے دادا سے سنا ہے کہ ہم انسانوں کے ساتھ منسوب ہیں۔ مطلب ہمیں تو خوشی ہوتی ہے کہ جہاں انسانوں کا ٹھکانا ہے ہم وہاں رہیں نہ کہ الگ سے جنگلوں میں جا کر بسا کر رہیں۔ جہاں انسان کا دانہ پانی ہے وہاں ہمارا بھی ہے۔ ہمارے بزرگ تو فخر اور خوشی محسوس کرتے تھے انسانوں کے ساتھ رہنے میں لیکن ہمیں تو آج کا انسان صرف دکھ دے رہا ہے۔“ کیوتر بھی پاس شاخ پہ بیٹھا مصحوبیت سے ساری باتیں سن رہا تھا۔ وہ بولا، ”کچھ دن پہلے جنگل سے لومڑی ہاتھی ملیں، وہ بھی انسانوں کے مظالم کا رونا رو رہی تھی کہ اس نے جنگلوں کا صفایا شروع کر دیا ہے اور جنگل کے جانوروں کو بہت تنگ کرتے ہیں، مار رہے ہیں، ساتھ لے جاتے ہیں اور بہت کچھ۔“



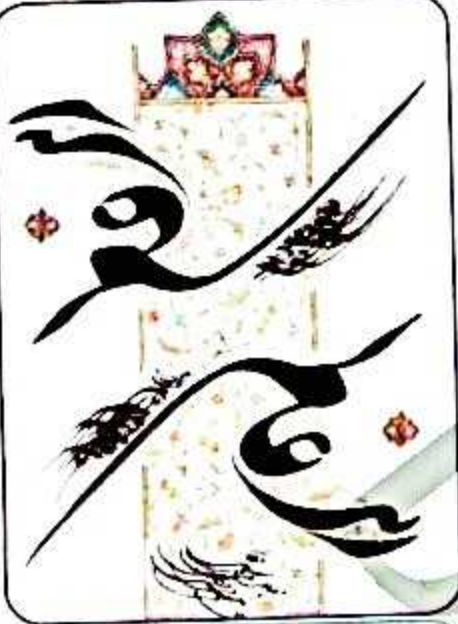
پاکستان میں بسنے والوں کو ملے تو غور کرو۔ آزادی کی کتنی قیمت لی تھی پہرے داروں نے پھول

خداوند عالم کو ہر قسم

اس بار ہم سرزمین ایران کے نامور خطاط احمد پناہی کے بارے میں جانیں گے۔ ماشاء اللہ زندہ و سلامت ہیں۔ آپ ایران کے معروف شہر اور دارالحکومت تہران میں رہتے ہیں۔ آپ نے خطاطی کی تعلیم بھی تہران کے نامور خطاطوں سے حاصل کی اور تعلیم علامہ طہائے یونیورسٹی تہران سے حاصل کی اور سند فضیلت حاصل کی۔ آپ تمام رسوم الخط پر کامل مہارت رکھتے ہیں۔ آپ کی مشق کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت استادان فن کی خدمت میں رہ کر مشکل خطاطی کی مشق کرتے تھے اور آپ کو اگر قلم کار یک جنبش کا خطاب دیا جائے تو یہ بے جا نہ ہوگا۔ آپ کے ہاتھ کی پتلی اور نزاکت اہل دل کے لئے جمال خط کا ایک روشن نگارہ ہے۔

آپ نے حافظ شیرازی، شیخ سعدی، کلام بابا طاہر، خواجہ کرمانی وغیرہ جیسے عظیم شعراء کے اشعار خطاطی کئے اور ان میں تزیین کا وہ جادو چمکایا کہ یہ فن پارے خطاطی کی دنیا کی دہن من گئے۔ ایران آنے والے سیاح ان کے فن پارے خریدے بغیر کہیں نہیں جاتے۔ احمد پناہی کی تزیین کاری اعلیٰ درجے کی فنی

احمد پناہی ایک محقق اور مصنف بھی ہیں۔ آپ نے فن خطاطی پر بہت سی کتابیں بھی تحریر و تصنیف کی ہیں جو خطاطی کا ایک اصول ورثہ ہیں۔ احمد کو نو جوان نسل میں بے حد پذیرائی حاصل ہے۔ ان کی کتابیں نہ صرف ایران بلکہ مشرق وسطیٰ اور یورپ میں بھی بے حد مقبول ہیں۔ ان کے فن پارے بھی دنیا بھر کے اور ایران کے اخبارات و جرائد میں شائع ہوتے رہتے



ایران کے ممتاز خطاط اور عظیم محقق

احمد پناہی

بجھاتے ہیں۔

احمد پناہی ایران میں فن خطاطی کے فروغ اور اس کے ارتقاء کے لئے جو خدمات سرانجام دے رہے ہیں وہ ہر اعتبار سے قابل تعریف ہے اور ایسے بے لوث ہنرمند ہی قوموں کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ انکی فنی ریاضت نہ صرف ایران کیلئے بلکہ دنیا کے طول و عرض

ہیں۔ جنہیں فن کے راستے کے مسافر کاٹ کر اپنے پاس سجالیتے ہیں۔ یہ ان کے پاس خطاطی کی ایک اصول دستاویز کے طور پر محفوظ ہو جاتے ہیں۔ ان کتابوں کی ایک خوبی ان کا کاغذ اور عمدہ طباعت بھی ہے۔ احمد پناہی کا فن محنت و ریاضت سے عبارت

ریاضت کا لازوال عکس ہے۔ ایران میں فن خطاطی کی سرکاری سرپرستی میں بیگانہ روزگار خطاط پیدا ہو رہے ہیں اور احمد پناہی کا حسن قلم اس سایہ خشک کا نتیجہ ہے۔ احمد کے خط شکستہ کے فن پارے اس روانی اور ترتیب سے وجود میں آئے ہیں کہ لگتا ہے کہ یہ قدرت کی خاص عنایت و لطف و کرم کے آئینہ دار ہیں۔ احمد پناہی اس وقت اپنے طلباء و طالبات اور فن خطاطی سے وابستہ افراد کی نظروں کا محور ہیں۔ ان کے فن پاروں میں تکنیکی صلاحیت اور الفاظ کی سیج اور ان کے لئے قلم کا انتخاب اور پھر نقاشی اتنے سلیقے سے نظر آتے ہیں کہ بے ساختہ داد دینے کو دل چاہتا ہے۔ خطاطی کے ساتھ ساتھ قلم کا انتخاب ایک بہت بڑا مرحلہ ہوتا ہے اور پھر قلم اس معنی جس چیز پر آپ خطاطی کر رہے ہیں اس کے لئے طے شدہ تحریری جگہ کا انتخاب اس سے بھی بڑا مرحلہ ہوتا ہے۔

آپ کا تحقیقی حوالہ مذکور ہے، مکمل حسن حاصل ہے

احمد کے فن پارے دنیا بھر میں اپنا منفرد مقام رکھتے ہیں

آپ خطاطی کی ۵۵ برس کے مسد بھی ہیں

میں رہنے والوں کے لئے باعث صداقت رہے۔ پھول قارئین، یہ اسلام کی ایسی روایات ہیں کہ جو دوسری اقوام کو اسلام و قرآن شای میں مدد دیتی ہیں۔

ہے۔ احمد اپنے مداحوں اور چاہنے والوں کو کبھی مایوس نہیں کرتے۔ وہ طلباء فن کے لئے بھی اصلاح مشق کا خاص التزام کرتے ہیں۔ ان کے پاس ایران کے طول و عرض سے اور تہران کی یونیورسٹیوں سے ہزاروں طلباء فن آتے ہیں اور اپنے شوق کی پیاس

پاکستان میں بسنے والوں اور قسطنطنیہ کی تہذیبی پہرے داروں نے پھول



قومی پرچم کسی بھی ملک کی آزادی اور خود مختار حیثیت کا ترجمان ہوتا ہے اور قومیں اپنے پرچم کی سر بلندی کے لیے اپنی جانیں قربان کر دیا کرتی ہیں۔ وطن سے محبت کرنی ہے تو اپنے علامتی نشانوں کی قدر کرنا پڑتی ہے۔ پاکستان ہم سب کا پیارا وطن ہے اور ہمارا جھنڈا اور جھنڈیاں ہم سب کو اپنی جان سے زیادہ عزیز ہونی چاہئیں اور یوم آزادی یعنی 14 اگست والے دن ہم سب کی کوشش ہونی ہے کہ پورے مملکت میں سب سے اونچا جھنڈا ہمارا لگے اور جھنڈیوں کے حوالے سے بھی سب سے نمایاں ہمارا ہی گھر اور گلی ہو۔ بہت ہی اچھی عادت ہے اپنے گھر کو، محلے کو اچھے سے پیارے انداز سے سجانا۔ مگر یہ اہم ترین کام تو ہم کر لیتے ہیں مگر اس سے بڑھ کر ایک کام ہے جو سب سے زیادہ اہم ہے سمجھ لیں یہ آپ کا، میرا ہم سب کا وہ قومی اور ملی فریضہ ہے جس کو ہم بھول چکے

جس میں سب سے بڑھ کر یہی ہے کہ ہم عزت دار چیزوں کی حفاظت نہیں کرتے۔ اپنے پرچم اور ان جھنڈیوں کی قدر بھی کریں اور حفاظت بھی۔ اللہ آپ سب کو اپنی امان میں رکھے اور تعلیمی میدانوں میں ذہروں کا سیلاب عطا کرے۔ آمین

قومی پرچم اور جھنڈیوں کا احترام ہمارا قومی فریضہ ہے

ہمارا پرچم، یہ پیارا پرچم

یوم آزادی

میت آزادیوں کا ہے اس میں اک ترانہ ہے اس میں عزت کا قدر لازم ہے سب پہ اس دن کی ایک انعام ہے قدرت کا

نشان منزل نو ہے یہ دن ہمارے لئے نیا نوید سفر ہے یہ روز آزادی ہماری جان جگر ہے یہ دن مراد بھرا ہمارے خوں کا ثمر ہے یہ روز آزادی

اپنے ماضی پر بھی جاتی ہے مجھ ہیں نظر میں حال کے احوال بھی آج کے دن یاد آتے ہیں بہت قائد اعظم بھی اور اقبال بھی

تھکر علی راہ۔ ان جو

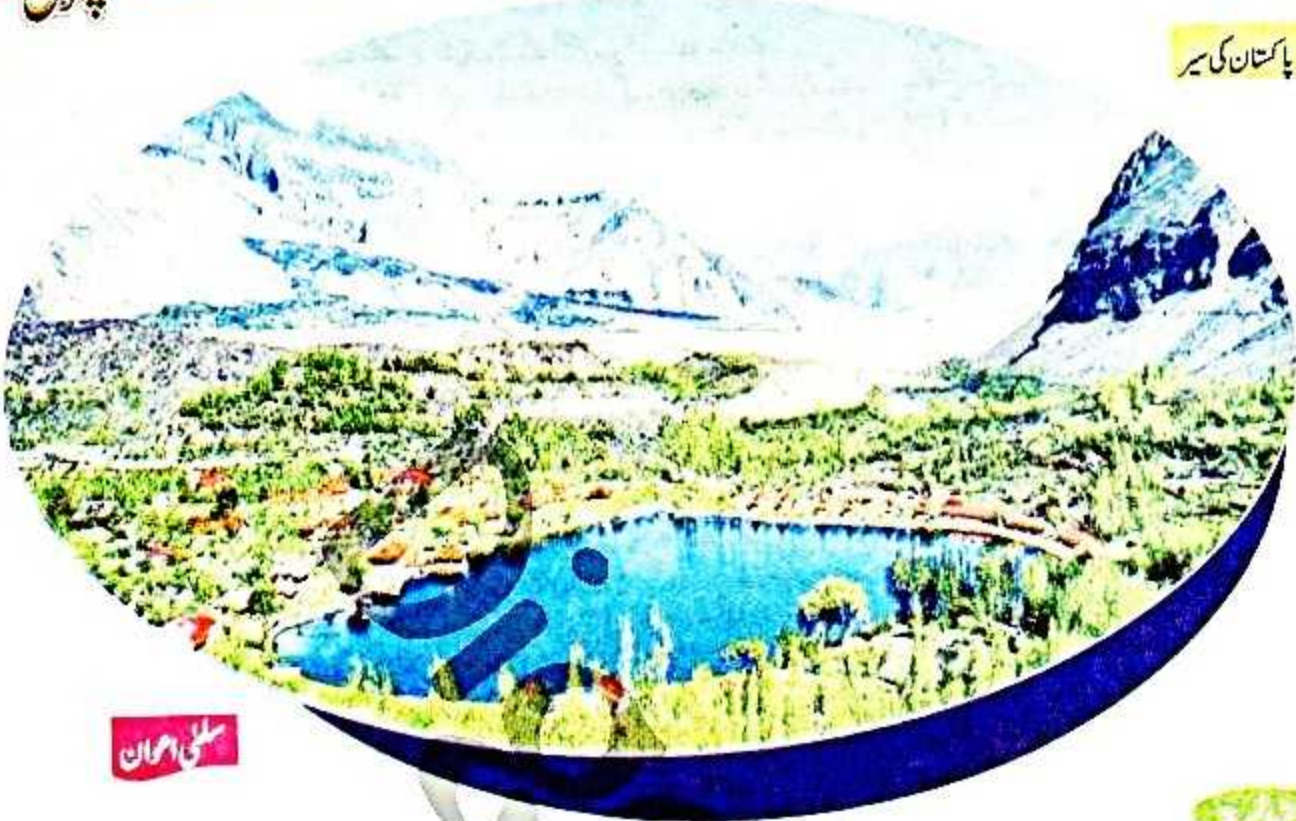
جاتے ہیں اور ہم کو پتا بھی نہیں چلتا۔ جھنڈیاں لگائیں تو ان کی حفاظت کریں۔ اپنا شوق پورا کر کے اٹار لیں ورنہ آپ کو لگانے کا کوئی حق نہیں۔ ان سارے حالات کو دیکھتے ہوئے میں اب جھنڈیاں بنانے اور لگانے کے شدید مخالف ہو چکی ہوں۔ ہاں جھنڈا لگانے کے حق میں ہوں کہ سب سے اونچا یہ جھنڈا ہمارا ہے۔ آئیے یہ عہد کریں کہ اگر آپ نے یہ کام کرنا ہے تو مکمل ذمہ داری کے ساتھ کے ساتھ کرنا ہے اور اپنے پرچم کی اس حسین علامت کی حفاظت کریں یہ ہم سب کا قومی و ملی فریضہ ہے۔ یہ جھنڈیاں آپ کے پاس ان شہداء کی امانت ہیں

ہیں۔ ہم میں سے دوسری جانب بہت سے ایسے ہیں جو اس کو دیکھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ کچھ اس پر عمل کرتے ہیں اور اپنے راستے میں نظر آنے والے اس آزادی کے علامتی نشان کو چھتے چلے جاتے ہیں۔ وہ فرض کیا ہے؟ وہ ہے ان جھنڈیوں کی حفاظت کرنا، اگست کا مہینہ پارشوں کا ہے لہذا جب آپ جھنڈیاں لگا دیتے ہیں تو آپ کا شوق تو پورا ہو جاتا ہے مگر پھر آپ کا ایک فریضہ باقی رہ جاتا ہے وہ ہے ان جھنڈیوں کی حفاظت کرنا۔ جو پارشوں اور تیز ہواؤں سے ابھر ابھر بکھرتی ہیں اور ہمارے قدموں تلے پامال ہوتی جاتی ہیں۔

ہمارے بزرگوں نے آزادی کے لئے لاکھوں جانیں قربان کیں

جنہوں نے پاکستان بنانے میں اپنی جانیں قربان کیں۔ یاد رہے کہ ہم کو یہ وطن کسی نے پیٹ میں رکھ کر نہیں دیا۔ ہم نے خون کی ندیاں پار کی ہیں تب جا کر یہ زمین ہم کو ملی ہے اور امانت میں خیانت کرنے والوں کو کوئی قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ آج ہم اگر پوری دنیا میں خوار ہو رہے ہیں تو اس کی بہت ساری وجوہات ہیں

میں اکثر جب ان دنوں گھر سے باہر آتی جاتی ہوں تو ان جھنڈیوں کو دکھ سے اٹھاتی ہوں، دل خون کے آنسو روتا ہے دوسری جانب اب ان جھنڈیوں پر اللہ، رسول ﷺ کا نام اور کلمہ تک لکھا ہوتا ہے اور پھر ان کی یہ بے حرمتی کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ ایک پاکستانی اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم کس قدر غفلت کا مظاہرہ کر



مکتوبات کی چھٹی جلد: مکتوبات کے مختلف ہارنگز اور تقریقی مقامات

پیارا بلتستان اور شہزادی گل خاتون

یہ کون سی جھیل ہے۔ طیف نے پانی سے گزرتے شیورڈ کا بازو پکڑ لیا۔

شیورڈ کو اس معصوم سے بچنے کی یہ ادب بہت پسند آئی۔ اس نے پیار سے ہاتھ کہا۔

جھیل سیف الملوک۔ یہ ہماری خوبصورت وادی نارمان کی جھیل ہے۔“

اتنی خوبصورت جھیل میں اپنے دوستوں کو بتاؤں گا،“ ٹھنفر ٹپٹا سیٹ سے اچھلا۔

نانکا پر بت کی چوٹیاں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ پہاڑوں کے سلسلے دور نظر تک پھیلے ہوئے تھے۔

ب ان کے سامنے ناشتے کی ٹرے رکھی گئیں لیکن ان کا حریان کھانے میں کب تھا۔ چکن سینڈویچ انہوں نے انھوں میں پکڑے اور تاک پھر شیشوں سے چپکائی۔

شیورڈ ان کے پاس آ گیا۔ اس نے بتایا کہ ابھی وادی شگر نے دلی ہے۔ بچہ وادی شگر میں دنیا کی دوسری بڑی وادی ”کے کو“ ہے۔ پہلے یہاں دنیا بھر کے کوہ پیما آتے تھے دنیا بھر میں اس کا بڑا چرچا تھا۔ انشاء اللہ بہت جلد اب سیاح روکھو یا پاکستان پھر آنا شروع ہوں گے۔

انشاء اللہ۔“ سعد نے لونی آواز میں کہا۔

وقت طے کرنے کے معاملے میں کوتاہی نقصان دیتی ہے۔ بچوں نے یہ بات سنی اور آئندہ کے لیے اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔

اسلام آباد کے گھر گزریوں کے گھر وندے نظر آ رہے تھے۔ اللہ سحر یہ خوشی سے چمکی ”وہ دیکھو سر کیس کیسی نظر آتی ہیں۔“ خفضر نے کہا۔

”اور درختوں کو بھی دیکھو۔“ جینم چلایا۔

”یہ سب کتنا اچھا اور بے اسرار سا نظر آتا ہے۔“ خدایا تیرا شکر ہے۔ آج ہم پرواز کر رہے ہیں۔“

”اللہ ہم کتنے خوش قسمت ہیں کہ پاکستان کی ایک خوبصورت جگہ دیکھنے جا رہے ہیں۔“ سحر یہ خوشی سے چمکی۔

”وہ بچے ایٹ آباد کی سرسبز پہاڑیوں کو دیکھ رہے تھے۔ پہاڑیوں کا جیسے جیسے فضا میں معلق ہو گیا ہو۔ کاغان اور تاران دو ادویاں۔“

”جی خفضر بیٹا۔“

”سحر یہ باجی وہ دیکھیے۔“

”سحر یہ نے دیکھا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ برف کے پہاڑوں کے درمیان بڑی مائل پانی کے بحری ہوئی جھیل۔ کتنا خوبصورت منظر تھا۔“

بچہ جہاز سے اترنے پر آمادہ نہ تھے۔ طیفیغ کوئیوں لگتا تھا جیسے ابھی رووے گا۔ بہر حال امی ابو نے کافی تسلی دی۔ وہ سارا دن بیٹوں بچوں کا دعائیں کرتے نہ راز۔ ابو جانی کٹنوں پر نئی تاریخ ڈھولا لائے تھے۔ رات کو کوئی انہوں نے بیس بار پوچھا ہوگا کہ کیا ہم کل چلے جائیں گے۔ ان کے اس اضطراب کو محسوس کرتے ہوئے امی جان نے نرمی سے سمجھایا۔

”اللہ تعالیٰ کو جب منظور ہوگا تبھی ہمارا جانا وہاں ہو سکے گا۔ جب جس وقت جس جگہ کا دانہ پانی کھانا ہوگا ویسا ہی سب ملے گا۔ گھبراتے نہیں ہیں۔“

اگلے دن صبح سویرے پھر وہی جانے کا عمل شروع ہوا۔ چینگ و غیرہ کے مراحل طے ہوئے۔ اسی طرح وہ بس میں بیٹھے۔ ٹھپ ٹھپ کرتے میز حیاں چڑھے۔ بچوں کے چہرے یوں کھلے ہوئے تھے جیسے کیاریوں میں گلاب۔ پیاری سی ایئر ہوسٹس نے مسکراتے ہوئے انہیں بازوؤں سے تھامنا ان کے ہاتھوں میں پکڑے بوڑھنگ کارڈوں سے ان کی نشستوں کا نمبر دیکھا اور انہیں ان کی سیٹوں پر بٹھایا۔ لیکن وہ سیٹوں پر کہاں بیٹھے۔ انہوں نے فوراً اٹھ کر کھڑکی کے بیٹھوں سے باہر جھانکنا شروع کر دیا۔ بیٹھوں سے باہر جھانکنا کہیں بھلا لگتا تھا۔ بس کوئی پانچ منٹ بعد شور پیدا ہوا۔ گڑگڑاہٹ کی مہیب سی آواز سنائی دی۔ جہاز نے چلنا شروع کیا۔ پھر دوڑنے لگا اور جب وہ اڑا اسعدیہ کو اجنادیل دھپتا ہوا محسوس ہوا۔ ان کی امی اور ایئر ہوسٹس نے ان کی کمرؤں کے گرد بیٹھیں کھیں۔ ایئر ہوسٹس نے انہیں پیار کرتے ہوئے کہا کہ جب جہاز فلک آف کرنے لگے اس

پاکستان میں رہنے والوں اور وقت گزارنے والوں کی کتنی قیمت لی تھی پہلے واروں نے پھول

خوش آمدید کہنے کے لیے کھڑی تھیں۔ غنفر کی امی سے وہ گلے ملیں۔ بچوں کو بازوؤں کے حلقے میں سینے اندر آگئیں۔ اکبر کا گھر خوب کشادہ تھا۔ ایک طرف موٹی بنریاں اور پھلوں کے درخت تھے۔ سب ابھی کچے تھے لیکن خوبانوں سے درخت بھرا ہوا تھا لیکن شہوت ختم ہو گئے تھے۔ بس کہیں کہیں کوئی شہوت نظر آتا تھا۔ انگوڑی کی پتلیں درختوں کے ساتھ دور تک پھیلی چلی گئی تھیں۔ مکی کے پودے بڑی شان سے کھڑے تھے۔ بجھے ان کے جسموں کو جھکائے دے رہے تھے۔

”ارے واہ چھلیاں انہیں بونیں گے۔“ حنیف چنچا۔

”یہ ابھی کچی ہیں اکبر کے ایک دوست نے کہا۔“

چائے تیار تھی۔ بڑے کمرے میں قالین پر درختوں کا سجا ہوا تھا۔ بڑی خوبصورت چوٹی کی پیالیاں جن میں نمکین چائے تھی۔ ان کے اوپر کھنکھن تیار تھا۔ خاص چلی سوغات ہماری چائے۔ اکبر کی امی فیس اور پولیس ساتھ میں پڑو تھے۔ ایک طرح کے سمو سے۔ بیکٹ، گھر کی خوبانوں، آلو بخارے اور ایک پلیٹ میں شہوت بھی تھی۔ بچوں نے پھل کھایا۔ پڑو پکھائے۔ چائے صرف غنفر کی امی اور ابو نے پی اور اسے پسند بھی کیا۔

”بھئی اکبر اب ہمیں لے بھی چلوں گے پورا سنا دو کہانی۔“ غنفر کے لہجے میں بہت بے تابی تھی۔

اکبر کے چچا روزی خان نے۔

”سب سے پہلے تو تم لوگوں کو سود پارہ اور کچھ دیکھاتے ہیں۔ پھر شکر لگا دکھائیں گے۔ گنگو بی نہر پر جائیں گے۔“ ”کے نہیں بچا۔ سب سے پہلے کہانی۔ سیر سپانے بعد میں۔“ ”نہر سے پیارے سے بھائی تھے تم شکر لگا دیکھو گے تو بولو گے روزی چچا مجھے تو نہیں چھوڑ جاؤ۔ جانتے ہو پوری دنیا میں اس کی دھوم ہے۔ اتنا خوبصورت کہ مانو جیسے دنیا پر جنت۔ وہاں رہنے کا گریہ معلوم ہے کتنا مزہ لگتا ہے۔“ ”ارے ہاں مجھے یاد آیا۔“ روزی خان نے ڈرامائی سے انداز میں کہا۔

”آج شام پولو کا میچ بھی ہے۔ شمالی علاقہ جات کا دلچسپ قومی کھیل۔ بچو آپ پولو کا کھیل دیکھو گے تو سانس لینا بھول جاؤ گے۔“

”روزی چچا ہم نے سکرو میں کافی دن رہنا ہے۔ پولو کا میچ بھی دیکھیں گے انشاء اللہ۔“ حنیف کہانی کے لیے سب سے زیادہ بے تاب تھا۔

”چلو یا روزی خان لے جاؤ بچوں کو۔ دھوپ تو ہے مگر ہوا بھی تیز ہے۔“ اکبر کا باپ بولے۔

روزی خان نے حنیف کی طرف دیکھا اور کہا۔

”یہ بچہ چھوٹا ہے۔ بلندی پر چڑھنا اس کے لیے مشکل ہوگا۔ اسے چھوڑ جائیں گے۔“

لیکن حنیف نے زور زور سے چلنا شروع کر دیا۔

”میں چھوٹا نہیں دیکھو میں اتنا بڑا ہوں۔ میرے اندر جوش اور ولولہ ہے۔ میں ایک باہت لڑکا ہوں۔“

سب ہنس پڑے تھے۔ (جاری ہے)

میں رہتے تھے۔ غنفر کے والد کے دوست تھے۔ جب سانس ہی کھڑی تھی۔ وہ سب اس میں بیٹھ گئے۔ سکرو ایئر پورٹ شہر سے کوئی دس بارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ چاروں طرف بڑو کے بغیر کا لے سیاہ پہاڑ تھے۔ کسی کسی پہاڑ کی چوٹی پر برف بھی نظر آتی تھی۔ ہوا گرم تھی اور سڑک کے دونوں طرف ریختا میدان تھا۔

”میں سمجھتی تھی کہ یہاں خوب ٹھنڈ ہوگی لیکن خاصی گرمی ہے۔“ غنفر کی امی بولیں۔

”دو پہ کو کافی گرمی ہوتی ہے لیکن صبح اور شام کو موسم ٹھنڈا ہوتا ہے۔“ اکبر کے باپ بولے۔

بچے جب سے باہر کھلی فضا کو مسلسل دیکھ رہے تھے۔ جب تیز رفتاری سے سڑک پر دوڑتی جا رہی تھی۔

پھر شہر کے آگے نظر آنے لگے۔ بازار شروع ہو گیا۔ بچے دکانوں کے چوڑے چوڑے دروازے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ بازار میں مقامی لوگوں اور غیر ملکی سیاحوں کی ٹولیاں ادھر ادھر جا رہی تھیں۔ گاڑی یادگار کے پاس سے گزرنے لگی تو اکبر کے ابو نے جب رکوائی۔

سب لوگ آگے۔ اکبر کے ابو نے بتایا۔

”یہ یادگار ان شہیدوں کی ہے جو بلتستان کو دہ گروہ مارنے سے آزاد کرانے کے لیے شہید ہوئے تھے۔ جنہوں نے اپنی جان ملک اور اللہ کی راہ میں قربان کی۔“

سعدیہ اور غنفر سب سے آگے بڑھے انہوں نے شہداء کے نام پڑھے جو اس پر لکھے ہوئے تھے۔

خداوند ہمیں بھی تو فیق دے تاکہ ہم اپنے ملک کی حفاظت کریں۔ غنفر نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔

سعدیہ نے اس کی طرف شوخی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”یا اللہ میں ڈاکٹر بنوں اور ان نوجوانوں کی مرہم بنی کروں جو وطن کی حفاظت کرتے ہوئے زخمی ہوں۔“

جب وہ جیب میں دو پارہ پٹھان کبر کے ابو نے انہیں بتایا۔

بلتستان اور گلگت وہ علاقے ہیں جنہوں نے انتہائی خراب حالات میں اپنی آزادی کی جنگ خود لڑی۔ انہیں کہیں سے بھی کوئی امداد نہیں ملی۔ اس وقت پاکستان ناپائیدار آزاد ہوا تھا اور بے شمار مسائل میں گھرا ہوا تھا۔ ڈوگرہ فوج بڑی زبردست تھی انہیں بھارت کا پورا تعاون اور مدد حاصل تھی لیکن ان لوگوں نے دلیری سے ان کا مقابلہ کیا۔ آزادی حاصل کی اور پھر اپنی مرضی سے پاکستان میں شامل ہوئے اور شامل ہو کر بہت خوش ہیں۔ ہم ہر وقت پاکستان کی سلامتی اور اس کی خوشحالی کے لیے دعا کرتے ہیں۔ ہمارا ملک اللہ کے خوب خوب پھلے پھولے۔

ان کی باتوں کے جواب میں سب نے آمین کہا۔ سعدیہ، غنفر اور اکبر کی آوازیں سب سے اونچی تھیں۔

اکبر کے ابوکا گھر چشمہ بازار میں تھا۔ اس کے چچا روزی خان کی کتابوں کی دکان بھی چشمہ بازار میں ہی تھی۔

جب ایک کھلے میدان میں رگ مٹی۔ اکبر کا گھر کافی بلندی پر تھا۔ سب ایک دوسرے کے پیچھے بیٹھے مسکراتے چڑھتے گئے۔ جب گھر آیا تو دروازے کی آؤٹ میں اکبر کی امی انہیں

بچے پیشوں سے جھانکتے کے ٹوکے اندازے لگاتے تھے۔ پھر تھوڑی دیر میں اعلان ہوا کہ ہم سکرو ایئر پورٹ پر لینڈ کرنے والے ہیں۔ بچوں نے خوشی بھی محسوس کی لیکن اتنے پیارے سفر کے ختم ہونے کا سن کر دکھ بھی ہوا۔

”ارے ساتی جلدی۔“ حنیف بار بار کہے جا رہا تھا۔

امی ابوان کی بیٹی پر ہنسنے جا رہے تھے۔

ایئر ہوسٹس سے انہوں نے ہاتھ ملایا۔ شیورڈ کو ہیلو ہیلو کہا۔ دونوں نے بچوں سے پوچھا۔ ”واپسی کب ہوگی؟“

اور غنفر نے ہنستے ہوئے کہا۔

”لو ابھی سے آپ واپسی کا بھی پوچھنے لگ گئے ہیں۔ ہم تو بہت دن رہیں گے۔ سارا پاکستان دیکھنے آئے ہیں۔“

”یہ سارا پاکستان کب ہے۔“ ایئر ہوسٹس نے ہنستے ہوئے کہا۔

”اس کا ایک حصہ تو ہے۔“ سعدیہ نے ٹھکی پڑی کہا۔

”ٹھیک کہتے ہیں آپ۔ اچھا خدا حافظ۔ خدا کرے آپ صحت و تندرستی سے یہاں کی سیر کریں۔ خوبصورت جگہیں دیکھیں اور اسی طرح ہنستے مسکراتے واپس جائیں۔“

”آمین“ تینوں بچوں نے بیک زبان کہا۔

کتنا خوبصورت ایئر پورٹ تھا۔ تھا تو چھوٹا سا۔ پہاڑوں سے گھرا ہوا۔ دن وے سورج کی روشنی میں چمکتا تھا۔ شاہ بلوط کے لیے لیے درخت ہوا سے جھوم رہے تھے۔ چوں کا رنگ مزور ہو چکا تھا۔ ان پر مٹی یا گرد کا ایک چھوٹا سا ڈھیر بھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔ بلند اور نظر آ رہا تھا۔ اور ان سب کے پیچھے اونچے اونچے کالے کالے پہاڑ آسمان سے باتیں کرتے تھے۔

وہ گرم وہاں کھڑے پہاڑوں کو دیکھتے تھے۔ ایسے پہاڑ دیکھنے کا ان کا پہلا موقع تھا۔

”اللہ کتنے اونچے ہیں ان پر بھلا کوئی چڑھ سکتا ہے۔“ حنیف حیرت سے ان کی طرف دیکھ کر بولا۔

”کیوں نہیں کوہ پنا چڑھتے ہیں۔ اونچی اونچی چوٹیاں سر کرتے ہیں۔“ سعدیہ نے بڑا ہونے کے ناطے ان پر اپنی عملیت جتائی۔

”میں بھی کوہ پنا بنوں گا۔“ غنفر چنچا۔

”لو یہ منہ اور منور کی دال۔ چڑی جتنا تمہارا دل ہے اور پہاڑوں پر چڑھنا چاہتے ہیں۔“ سعدیہ نے اسے چڑایا۔

قریب تھا کہ بہن بھائی لڑ پڑتے جب امی ابو نے انہیں بازوؤں سے پکڑا اور وینٹک روم کی طرف دھکیلا۔

وینٹک روم میں اکبر اس کے چند دوست اور اکبر کے ابو اور چچا کھڑے تھے۔ بچے ڈوگرہ اکبر سے چمٹ گئے۔ اکبر کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے محبت سے پوچھا۔

”کھوسو تو بڑے لطف کٹا۔“

”بہت لطف آیا اکبر۔“ غنفر ہنسا۔

اکبر نے اپنے دوستوں کا تعارف ان تینوں سے کروایا۔ یہ بلٹی بچہ بہت صحت مند اور سرخ و سفید تھے۔ آج انہیں خوش آمدید کہنے آئے تھے۔ اسفند یار وادی چلو سے تھا۔ یوسف چھوڑ بٹ سے تھا۔ دو ننھے بچے وادی شکر سے تھے۔ ان بچوں کے والدین سرکاری ملازمتوں کی وجہ سے سکرو

پاکستان میں ملنے والے واقعات طے تو غور کرو آزادی کی کتنی قیمت لی تھی پہرے داروں نے پھول

اگست کے اہم واقعات



چودھری اسد اللہ خاں

یکم اگست 1989ء: قلابان ریاست کے مسلم اکثریتی صوبے "منڈانہ" کو پہلی بار ایک مسلم خود مختار علاقہ قرار دیا گیا۔

2 اگست 2012ء: امریکی ایوان نمائندگان کی 200 سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ قرآن پاک کی تلاوت کا آغاز مسلم کانگریس امام نے کیا۔

3 اگست 1993ء: سرکاش کی تاریخی مسجد "شاہ حسن دوم" کا کیسابلہ کا شہر میں افتتاح ہوا۔
3 اگست 1914ء: جرمنی اور فرانس نے جنگ عظیم اول کا اعلان کر دیا۔

4 اگست 2013ء: مسٹر رومانی نے ایران کے صدر کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔

5 اگست 1930ء: چاند پرسب سے پہلے قدم رکھنے والے امریکی خلا باز نیل آرم سٹرائٹ کا پیم پیدائش۔

6 اگست 1945ء: امریکہ نے جاپان کے شہر "ہیروشیما" پر دنیا کا پہلا ایٹم بم گرا کر لاکھوں افراد کو موت کی شہرہ سلا دیا اور لاکھوں کو زخمی اور پانچ ہزار بچا دیا۔

6 اگست 1990ء: صدر پاکستان غلام اسحاق خاں نے بدعنوانی کے الزام میں پاکستان کی پہلی خاتون وزیراعظم بے نظیر بھٹو کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

7 اگست 1954ء: پاکستان کا قومی ترانہ "پاک سرزمین شاد باد" منظور ہوا۔

8 اگست 1974ء: امریکی صدر رچرڈ نکسن کو "واٹر گیٹ سکینڈل" کے نتیجے میں صدارت کے عہدہ سے استعفیٰ دینا پڑا۔

9 اگست 1945ء: امریکہ نے (ہیروشیما کے بعد) جاپان کے شہر "ناگاساکی" پر دومر ایٹم بم برسا کر جاپان کی کمر توڑ دی۔

10 اگست 1954ء: شاہ فیصل بن عبدالعزیز سعودی عرب کے وزیراعظم بنے۔

10 اگست 1947ء: مشرقی پنجاب (انڈیا) کے مسلمانوں نے ہجرت کا آغاز کیا۔

18 اگست 2008ء: صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف کے مستعفی ہونے پر میاں محمد سومرو عبوری صدر پاکستان بنے۔

19 اگست 1919ء: افغانستان کا پیم آزادی۔
20 اگست 2009ء: امریکہ کی اشیر باد سے شوکت عزیز پاکستان کے وزیراعظم بنے۔

21 اگست 2013ء: غلام یوسف زئی کو آئرلینڈ کی حکومت نے "امن ایوارڈ" سے نوازا۔

22 اگست 634ء: (22 جمادی الثانی، 13 جمادی الاول 13 ہجری بروز جمعہ مغرب اور عشاء کے درمیان) خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ کا انتقال ہوا۔

23 اگست 1973ء: وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے فرمانبردار خاص چودھری فضل الہی نے صدر پاکستان کا حلف اٹھایا۔

24 اگست 1979ء: پوچیاکی (اٹلی) میں شدید زلزلہ آیا۔
25 اگست 2012ء: چاند پر پہلا انسانی قدم رکھنے والا امریکی خلا باز نیل آرم سٹرائٹ کا پیم وفات۔

25 اگست 2004ء: کو پاکستان کے عبوری وزیراعظم چودھری شجاعت حسین اپنے 3 ماہ کے قلیل دور اقتدار سے سبکدوش ہوئے۔

26 اگست 1941ء: مولانا مودودی کی زیر قیادت "جماعت اسلامی" کا قیام لاہور (موجودہ پاکستان) میں عمل میں آیا۔

27 اگست 1955ء: عالمی ریکارڈ کی حامل کتاب "جینئر بک" کا پہلا ایڈیشن انگلستان سے شائع ہوا۔

28 اگست 1949ء: روس نے پہلا ایٹم بم ٹیسٹ کیا۔
29 اگست 1966ء: مصر میں اخوان المسلمون کے رہنما سید قطب کو 6 ساتھیوں سمیت صدر جمال ناصر نے پھانسی دے دی۔

30 اگست 634ء: معروف اسلامی جنگ "جنگ یرموک" کا معرکہ پیش آیا۔

31 اگست: آذربائیجان، ازبکستان اور ملائیشیا کا پیم آزادی۔

11 اگست 1947ء: بھارت میں تاریخ اسلام میں مسلمان ہند کی پہلی دستور ساز اسمبلی قائم ہوئی۔

11 اگست 1955ء: چودھری محمد علی پاکستان کے وزیراعظم بنے۔

12 اگست: نو جوانوں کا عالمی دن۔
12 اگست 1971ء: اسلام آباد (پاکستان) یونیورسٹی نئے کیمپس میں منتقل ہوئی۔

13 اگست 1954ء: قومی ترانہ پہلی بار ریڈیو پاکستان سے نشر ہوا۔
13 اگست 2012ء: پاکستان کے خود پر روٹیاں لگانے والے محنت کش نوجوان محسن علی نے بطور پرائیویٹ امیدوار بی اے کے امتحان میں 800/688 نمبر لیکر پنجاب یونیورسٹی میں ریکارڈ قائم کر دکھایا۔

14 اگست 1947ء: برصغیر ہند میں دو قومی نظریہ کی بنیاد پر اسلامی جمہوریہ پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔

14 اگست 1973ء: ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کے وزیراعظم بنے۔

15 اگست 1947ء: بھارت نے برطانوی اقتدار سے نجات حاصل کی اور آزادی حاصل کی۔

15 اگست 1975ء: بنگلہ دیش جو نیئر فوجی افسروں نے نیکیوں سے وزیراعظم شیخ مجیب الرحمن کو اس کے گھر میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔

16 اگست 2013ء: قلابان کی سمندری حدود میں دو جہازوں کے ٹکرائے سے 17 افراد ہلاک ہو گئے۔

17 اگست 610ء: سرور کائنات حضور اکرم ﷺ پر غار حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی۔

17 اگست 1988ء: صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کی فضائی حادثاتی موت پر غلام اسحاق خاں صدر پاکستان

پاکستان میں لکھنے والوں کو قتل کرنے تو غور کرو آزادی کی کتنی قیمت کی تھی پہرے داروں نے پھول



پہاں سال جشن آزادی کے موقع پر حکومت کی طرف سے جاری کئے جانے والے 50 روپے کا سکہ (اس سال کا پہلا سکہ)

اظہاری کرتے۔ اب تو ان کے پاس کھانا بھی کم تھا۔ اوپر سے بچے فرمائش کر رہے تھے کہ ان کو نئے کپڑے چاہئیں۔ نئے جوئے غرض سب کچھ نیا مانگ رہے تھے۔ وہ کیسے ان کی فرمائش پوری کرتے۔ وہ سر کو ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ گیا۔

”ہائے میرا بیٹا! ہائے، وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ ہائے!“

آپا جی مہر کریں ”ایک پڑوسن نے کہا۔

”کیسے کروں مہر؟“ ہائے! بڑا غرق ہوا ان دہشت گردوں کا۔ میرے معصوم بیٹے نے ان کا کیا بکاڑا تھا! ہائے

☆☆☆

وہ وزیرستان سے آیا تھا۔ فوج



یہ کیسی عید ہے

نورنگار

وہاں آپریشن کر رہی تھی اور اسے مجبور اپنا گھر چھوڑنا پڑا تھا۔ سر پر چھت نہ پہننے کو کپڑا ننگے آسمان تلے رہنے پر مجبور تھا۔ پرانے حالات کی یاد تازہ کرتے ہوئے وہ رو پڑا۔

☆☆☆

میں جانتی ہوں کہ ہر کہانی کا انجام اچھا ہوتا ہے لیکن یہ کہانی حقیقت پر مبنی ہے۔ وہ خیمہ بدوش کیسے محسوس کر رہا ہوگا۔ بچوں کی خواہش وہ پوری نہیں کر سکتا۔ اس عورت کا کیا حال ہوگا جس کا بیٹا مارا گیا۔ وہ بیٹا جو ان کے مستقبل کا سہارا تھا۔ وہ کیسا محسوس کر رہی ہوگی اپنے بیٹے کے بغیر محری اور اظہاری کرتے ہوئے؟

وہ آدمی جو وزیرستان سے آیا تھا، کیسا محسوس کر رہا ہوگا؟ پتا نہیں اس کو موقع ملے گا اپنے بیوی بچوں کو دیکھنے کا۔ یہ تو صرف چند قطرے جو میں نے آپ کو دکھائے ایک بڑے سمندر سے دکھائے ہیں۔ ہم ان کے بارے میں سوچتے تک نہیں، یہ کیسی عید ہے۔ فیصلہ آپ کریں۔

”نورا یہ دیکھو! یہ ہے میرا عید کا جوتا اور یہ دیکھو! یہ میں نے جوئے لئے ہیں۔ اچھے ہیں نا۔ دو ہزار روپے کے آئے ہیں۔ کیسے لگے تمہیں؟“ میری کزن مجھ سے پوچھ رہی تھی۔

’ہوں۔ اچھے ہیں۔‘ میں نے کہا لیکن میرے دماغ میں سوچوں کا جھیلنا تھا۔

☆☆☆

اُس نے اوپر آسمان کی طرف دیکھا۔ آج بارش ہونے والی تھی۔ ”اب کیا ہوگا؟“ اُس کے دوست نے پوچھا تھا۔

”ہونا کیا ہے؟ آج پھر سے نہانا پڑے گا بارش میں۔“ اس نے مایوسی سے جواب دیا۔

وہ ایک خیمہ بدوش تھا۔ یہ لوگ بہت غریب تھے۔ جب بھی بارش ہوتی تھی۔ اُن کا سارا سامان بھجک جاتا تھا۔ اُن کے پاس کھانے کا ذخیرہ بہت کم تھا۔ ایک کھجور سے روزہ رکھتے اور ملنی اور آدمی روٹی سے

ہم سب کا ہے پاکستان

وطن ہے میرا عالی شان
جان و دل اس پر قربان
اپنی عزت اور ہے آن
ہم سب کی ہے یہ پہچان
اپنی زیت کا ہے سامان
ہم سب کا ہے پاکستان
آباد رہے یہ پیارا جہن
کرے ترقی اپنا وطن
ہم سب کا ہو یہی مشن
چہ چہ ہو اس کا روشن
اپنی زیت کا ہے سامان
ہم سب کا ہے پاکستان
اس کے شہری ہیں بے دار
اک دوجے کے ہیں غم خوار
پیار محبت ان کا شعار
اپنے وطن سے کرتے ہیں پیار
اپنی زیت کا ہے سامان
ہم سب کا ہے پاکستان

محمد شفیع اعوان - لاہور، پاکستان



پھول پاکستان میں جسے دہائیوں سے ملے تو غور کرو۔ آزادی کی کتنی قیمت لی تھی پہرے داروں نے پھول

بچوں اور بڑوں کے لئے معیاری کتب کا مرکز
مکتبہ تعمیر انسانیت
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

پاکستان میں بچوں کے لئے معیاری کتب کے حوالے سے قابل مہمان
بلوچستان کی گورنر شہزادہ سیدہ ارمینہ
فون نمبر: 37358161

صفحہ بتائیے
انعام پائیے

اس ماہ کے جملے

- 1۔ تاکہ اپنے قومی محسنوں کو خراج تحسین پیش کیا جاسکے
- 2۔ ہم خوش قسمت ہیں ایک پیارے وطن میں آزاد رہتے ہیں
- 3۔ جس سے چمکے پیار محبت ایسے نفعے گائیں
- 4۔ اپنے وطن سے پیار نہ چلے ہے
- 5۔ وہ ایک خاص مقصد کے تحت وہاں بیٹھے تھے

کوڑی دنیا

- 1۔ مشہور شاعر احسان دانش کا انتقال کب ہوا؟
- 2۔ پاکستان اور برطانیہ کے وقت میں کتنے گھنٹے کا فرق ہے؟
- 3۔ رقبے کے لحاظ سے سب سے بڑا اسلامی ملک کون سا ہے؟
- 4۔ آکسیجن گیس کا نام کس نے رکھا تھا؟
- 5۔ جہانگیر خان نے 9 ویں مرتبہ برٹش اوپن اسکواش چیمپئن شپ کب جیتی؟

اس ماہ کے جملے

جو پانچ جملے دیئے گئے ہیں وہ ”پھول“ کے مختلف صفات پر موجود ہیں وہ پانچ جملے تلاش کریں اور پھول میں موجود کو پین پر ان صفات کے نمبر لکھ کر 10 تاریخ تک بھجوا دیں۔

زبردست جملہ

آخری صفحے پر شائع کی گئی تصویر کے حوالے سے زبردست جملہ ”پھول“ میں موجود کو پین پر لکھ کر 10 تاریخ تک بھجوا دیں اور انعام پائیں۔

سائزہ شاہد (کوٹ محمد) حصہ گوہر (گوجرانوالہ) محمد بلال غشا (لاہور) مدثرہ جمیں (داسو، منڈی بہاؤ الدین) مہوش مختار (سانی، نوشہرہ) محمد ذیشان (جنڈہ، ایک) جام یحییٰ سعید (روہیلانوالہ) محمد عبداللہ گل (علی پور، مظفر گڑھ) اشع طارق (دھلے، گوجرانوالہ) وجیہہ اسلام (شیخوپورہ) خولہ ثاقب (لاہور) ہشام کھلیل (باغ، آزاد کشمیر) فقیہہ حافظ (محمدی شریف) فلک (حیدر آباد) مریم کاشف (حیدر آباد) عامرہ تحریم (حیدر آباد) ماہ رخ (حیدر آباد) بشری صفدر (تلہ گنگ) لمبیہ طیب، جبریل طیب (جوہر آباد، خوشاب) محمد قمر الزمان (قائد آباد، خوشاب) زینب سحر (کراچی) سعودی السلام عرونی (داجل) انس رؤف (سوڈان، یمن آباد) محمد حفیظہ (اسلام آباد) محمد حفیظہ سلیم (لاہور) محاسن فیاض (لاہور) اینڈلہ ارشد (نقیر والی) محمد احمد رضا انصاری (کوٹ ادو) حسنین محبوب علی (روہیلانوالہ) جام عدنان غفور (روہیلانوالہ) جام میسر سعید (روہیلانوالہ) شمرین فاطمہ (پسرور) نسیم مجازی (روہیلانوالہ) حمزہ یعقوب (روہیلانوالہ) کنول سعید خانزادہ (سکرٹ، سندھ) حمزہ اسلم کرمانی (کوٹ ادو) اسد علی (لہان) محمد علی شاہ (سرائے نورنگ، مکی مروت) ساجد ممتاز (تلہ گنگ) مدثر حسین (سیالکوٹ)۔

انعامات کی برصاوت

کوڑی دنیا

- 1۔ انس رؤف..... سوڈان، یمن آباد
- 2۔ موحہ حسین..... اوکاڑہ
- 3۔ انور علی..... کھیوڑہ
- 4۔ تحریم رضا..... لاہور
- 5۔ ماہ جولائی رخ..... حیدر آباد

کوڑی دنیا چلائی 2014ء کے درست جواب
(i) برطانیہ (ii) سردار رب لوڈ (iii) 150x100 گز (iv) تالستانی (v) خوشحال خان خٹک۔



جولائی 2014ء میں شائع ہونے والے زبردست جملہ کی تصویر

زبردست جملہ

- 1۔ ہشام علی..... باغ، آزاد کشمیر
- 2۔ میری اگلی نظر ستاروں پر
- 3۔ میں پھر بھی تیرے سہاروں پر
- 4۔ محمد عبداللہ گل..... علی پور
- 5۔ عالم لاہوت کا میں درویش بنوں گا
- 6۔ اقبال کے شاہیں کی سی پرواز کروں گا
- 7۔ اسد الرحمن..... لاہور
- 8۔ باپ کی تربیت پر ہے ناز
- 9۔ نو نہال وطن بنا ہوا باز
- 10۔ اقراء گل..... فورٹ عباس
- 11۔ تمہارے دم سے میرے لبوں میں کلمے
- 12۔ گلاب
- 13۔ میرے وجود کا سارا نظام تم سے ہے
- 14۔ مریم تعمیر..... کراچی

متاثر ہونے والے قلم کاروں کی فہرست
کے شرواح میں اعلیٰ طور پر متاثر ہونے والے قلم کاروں کی فہرست
اور آخری کے آخری عمل نام، ولدیت، پتہ لکھا کریں
فون نمبر لکھنا چاہیے تو وہ بھی لکھ دیں۔

صفحہ بتائیے

- 1۔ سائزہ شاہد..... کوٹ محمد
- 2۔ وجیہہ اسلام..... شیخوپورہ
- 3۔ لمبیہ..... لاہور
- 4۔ لمبیہ طیب..... جوہر آباد
- 5۔ زینب سحر..... کراچی

صفحہ بتائیے درست جواب
59 (i) - 61 (ii) - 23 (iii) - 37 (v) - 56 (iv)

دارالسلام کوڑی

- 1۔ شازیہ نورین..... تارو وال
- 2۔ حماد اشرف..... پاک پتن
- 3۔ فرح چوہان..... کوئٹہ
- 4۔ ساجد امین..... مظفر آباد
- 5۔ عائشہ ہارون..... ساہیوال

دارالسلام کوڑی - درست جواب

(i) سکون دینے والا (ii) حادث بن
الغزنی (iii) فردی 1193ء (iv)
حضرت امیر معاویہ (v) عطار

پنجول پاکستان میں بسنے والے لوگوں کے لئے توغیر کرے آزادی کی کتنی قیمت کی تھی پھرے داروں نے



میں ہمارے بچے کے لئے ہمارے لئے ہمارے لئے ہمارے لئے



بچے ہمارے لئے ہمارے لئے ہمارے لئے ہمارے لئے



کری نے توڑا حال کر دیا ہے سفاطمہ غنیم، پورے والہ



ہم بھی جشن آزادی منائیں گے دعا احمد، لاہور

ڈراوا اکملوں پھر یوم آزادی کے موقع پر تقریر کرنی ہے محمد شکیل بن احمد، لاہور

میرے ساتھ مل کر غور و فکر پاکستان کو ترقی دینا ہے دعا احمد، لاہور

پنجول پاکستان میں بسنے والے اوقات کے قومی ورکر۔ ان کی آزادی کی کتنی قیمت کی تھی۔ ہر داروں نے پھول



پنجول بچے آج کے ملک کے بڑے نوجوان ہیں۔ ان کی توجہ دلا



آج کے ملک کے بڑے نوجوان



پنجول بچے آج کے ملک کے بڑے نوجوان



پنجول بچے آج کے ملک کے بڑے نوجوان



پنجول بچے آج کے ملک کے بڑے نوجوان



پنجول بچے آج کے ملک کے بڑے نوجوان



پنجول بچے آج کے ملک کے بڑے نوجوان



پنجول بچے آج کے ملک کے بڑے نوجوان



پنجول بچے آج کے ملک کے بڑے نوجوان

پنجول بچے آج کے ملک کے بڑے نوجوان

PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY



پاکستان میں جسے دارالافتاء طابوہ نور رکرو آزادی کی قیمتی تحی پرے واروں نے پھول



غلام مصطفیٰ سولگی

آزادی زمین پر آدمی کے لئے سب سے بڑی آسانی نعمت ہے۔ اس نعمت کے بغیر آدمی اور حیوان میں بہت کم فرق پایا جاتا ہے۔ حیوان کے گلے میں یا بھر میں ری ڈالی جاتی ہے جبکہ آدمی کے ذہن کو اپنے اثر میں کر لیا جاتا ہے۔

آدمی حیوان سے کام لینے کیلئے اس کا پیٹ بھرتا ہے، حیوان پیٹ بھر کر چارہ کھاتا ہے اور اس طرح آدمی کے کام آتا ہے۔ حیوان کی زندگی ایک دائرے میں شروع ہوتی ہے اور اس دائرے میں ہی ختم ہو جاتی ہے۔ نہ وہ اس دائرے سے باہر نکل سکتا ہے اور نہ وہ اس دائرے سے نکلا



اس یوم آزادی پر ہمیں ذہنی غلامی سے بھی نجات حاصل کرنا ہوگی

آزادی..... ایک نعمت

جاتا ہے۔ وہ آدمی کا غلام ہے اور ہمیشہ آدمی کا غلام رہتا ہے۔ جب آدمی میں عزت نفس نہیں پائی جاتی تو وہ حیوان، بلکہ حیوان سے بھی کم تر ہو جاتا ہے۔ اگر آدمی اس فو بت کو پہنچ جائے تو پھر وہ خود اپنی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سر سے پاؤں تک نمائش کی چیز بن جاتا ہے۔ اس نمائش سے اس کی زندگی میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، لیکن وہ ان خرابیوں کو خوبیاں سمجھتا ہے اور ان پر ناز کرتا ہے جب اس کو اصل صورتحال سے باخبر کیا جاتا ہے تو وہ بُرا مانتا ہے۔ وہ گوارا نہیں کرتا کہ کوئی اس کو خود فریبی کے حلقے سے باہر نکلنے کی طرف دھیان دلانے جب کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ اس کے خلاف طرح طرح کے

الزام تراشتا ہے اور بہتان باندھتا ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ ذہنی غلامی کو قبول کرنے والے لوگ خود غرضی کے اندھے کنوئیں میں گر جاتے ہیں۔ ان کو اپنی ذات کے سوا کچھ نہیں سوچتا۔ ان کی زندگی ایک خول بن جاتی ہے۔ وہ اس خول کے اندر سمٹ جاتے ہیں۔ اُن کی سب سے بڑی خواہش اپنی ذات کی مسود و نمائش ہوتی ہے۔ ان میں اچھے اور بُرے کی تمیز نہیں رہتی۔ وہ آدمیت کے اس جوہر سے خالی ہو جاتے ہیں، جس کو سلامتی کہتے ہیں۔ اسلام آدمی کے لئے سلامتی کا پیغام اور نظام ہے۔ اس نظام کی بنیاد خدا کو ماننے اور صرف ایک ماننے پر ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہرایا جائے، کیونکہ اس سے ذہنی غلامی کی ابتدا ہوتی ہے۔

پھر اس سے وہ ساری بُرائیاں پیدا ہو جاتی ہیں، جن سے آدمی اور حیوان میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ آدمی اپنی تاریخ کے جس دور میں خدا کی اطاعت سے محروم ہوا ہے، اس میں ظلم و زیادتی کی بھیانک مثالیں موجود ہیں۔ جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انسان کی تاریخ کا ایک ایسا ہی دور تھا جب حضور ﷺ نے لوگوں کو ایک اللہ کی طرف بلایا تو وہ جھنجھلا اُٹھے۔ اُن کی ذہنی غلامی اُن کو بُرائیوں کے گڑھے میں گرا چکی تھی۔ وہ اس کے خلاف کچھ بھی سننے کے لئے تیار نہ تھے۔ اس لئے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو پریشان کرنے کا منصوبہ باندھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ساتھی اس پریشانی کی وجہ سے حبش کے نجاشی کے دربار میں پہنچے تو وہاں تک اُن کا بچھا کیا گیا۔

جب نجاشی نے پوچھا: ”اسلام کیا ہے؟“ تو حضرت جعفرؓ نے جواب دیا ”ہم جہالت کا فکار تھے۔ ہم میں حلال اور حرام کی تمیز نہیں تھی۔ ہم بدکار تھے۔ ہمارے ہمسائے ہم سے پریشان رہتے تھے، بھائی بھائی کو ستاتا تھا۔ طاقتور کمزور کو ہڑپ کر جاتا تھا۔ ہم میں سے ایک شخص نے، جس کی ساری زندگی ہم میں گزری ہے، ہم نے اس کو ہمیشہ شریف، صادق اور دیانت دار پایا ہے، اس نے ہم کو ایک خدا کی طرف بلایا اور سکھایا کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت کریں، جھوٹ نہ بولیں، کسی کا خون نہ بہائیں، جیہوں کا مال ہڑپ نہ کریں، ہمسایوں کو نہ ستائیں اور نیک عورتوں کو بدنام نہ کریں۔“ یہ سب ذہنی غلامی سے پیدا ہونے والی بیماریاں ہیں۔

اس کے اُلٹ ہمارے نزدیک آزادی کا مفہوم یہ ہے کہ ہم کسی پابندی کو برداشت نہ کریں، من مانی کریں، اپنی خواہشات کو پوچھیں اور اس پوچا میں رکاوٹ بننے والی ہر بات کو بُرائی و فحاشی اور گھٹیا سمجھیں۔ اُن حدود کو آنکھیں بند کر کے بچاند جائیں، جن کو فطرت کے قوانین کہا جاتا ہے۔ ہماری آزادی گویا ذہنی غلامی ہے۔ ہم نفس کی آزادی ہی کو اصل آزادی سمجھتے ہیں اس لئے نفس کی اطاعت



چار مقبول دعائیں

ایک شرابی تھا۔ جس کے ہاں ہر وقت شراب کا دور رہتا تھا۔ ایک مرتبہ اس کے یار احباب جمع تھے۔ شراب تیار تھی۔ اُس نے اپنے ایک غلام کو چار درہم دیے کہ شراب پینے سے پہلے دوستوں کو کھلانے کے لئے کچھ پھل خرید کر لائے۔ وہ غلام بازار جا رہا تھا، راستہ میں حضرت منصور بن حمار بصریؒ کی مجلس سے گزر ہوا۔ حضرت کسی فقیر کے واسطے لوگوں سے کچھ مانگ رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے کہ جو شخص اس فقیر کو چار درہم دے، میں اس کے لئے چار دعائیں کروں گا۔ اس غلام نے وہ چاروں درہم اس فقیر کو دے دیئے۔

حضرت منصورؒ نے فرمایا، بتا کیا دعائیں چاہتا ہے؟ غلام نے کہا میرا ایک آقا ہے میں اس سے خلاصی یعنی آزادی چاہتا ہوں۔ حضرت منصورؒ نے اس کی دعا کی، پھر پوچھا دوسری دعا کیا چاہتا ہے؟ غلام نے کہا۔ مجھے ان درہموں کا بدلہ مل جائے۔ آپ نے اس کی بھی دعا کی پھر پوچھا تیسری دعا کیا ہے؟ غلام نے کہا حق تعالیٰ شانہ میرے سردار (کو توبہ کی توفیق دے اور اس کی توبہ قبول کر لے۔ منصورؒ نے اس کی بھی دعا کی، پھر پوچھا کہ چوتھی کیا ہے؟ غلام نے کہا کہ حق تعالیٰ شانہ میری اور میرے سردار کی اور تمہاری اور اس مجمع کی جو یہاں حاضر ہیں، سب کی مغفرت فرمادے۔ آپ نے اس کی بھی دعا کی۔

اس کے بعد وہ غلام (خالی ہاتھ) اپنے سردار کے پاس واپس چلا گیا، سردار انتظار میں تھا ہی..... دیکھ کر کہنے لگا کہ اتنی دیر لگا دی؟ غلام نے قصہ سنایا۔ سردار نے (ان دعاؤں کی برکت سے بجائے خدا ہونے اور مارنے کے) یہ پوچھا کہ کیا کیا دعائیں کرائیں؟ غلام نے کہا، پہلی تو یہ کہ میں غلامی سے آزاد ہو جاؤں۔ سردار نے کہا کہ میں نے تجھے آزاد کر دیا، دوسری کیا تھی؟ غلام نے کہا کہ مجھے ان درہموں کا بدلہ مل جائے۔ سردار نے کہا کہ میری

سے پیدا ہونے والی ساری الجھنیں ہماری زندگی میں موجود ہیں۔ ان میں سب سے بڑی الجھن یہ ہے کہ زندگی کے بارے میں غلط نظر بھی ہمارا اپنا نہیں ہے جب سوچ اپنی نہ ہو تو پھر زندگی میں کچھ اور ہمارا کیا ہوگا۔ یہ ظاہر یہ مختصر سا سوال ہے، لیکن جب ہم اس کا جواب دینے کی کوشش کریں گے تو ہم کو معلوم ہوگا کہ زندگی کا سارا پھیلاؤ اسی میں ہے۔

کیا آزادی یہی ہے کہ ہم جو چاہیں، سو کریں اور ہمارے جی میں جو آئے کہیں؟ کیا اس کے لئے کسی پابندی کی ضرورت نہیں ہے۔

ہم آزاد ہیں، لیکن ہمارا تمدن، ہماری تہذیب، ہماری ثقافت، ہماری زبان اور ہماری فکر کہاں ہے؟ تمدن کی آڑ میں ہم کیا کر رہے ہیں؟ تہذیب کے پردے میں ہمارے یہاں کیا ہو رہا ہے؟ ثقافت کے نام پر ہم کس شے کو اپنا رہے ہیں؟ زبان کے ذریعے سے ہماری کیا ذہنی تعمیر ہو رہی ہے اور فکر ہم کو کہاں لئے جا رہی ہے؟

اگر قوم اور معاشرہ کوئی مربوط شے ہے اور اگر ان میں شریک ہر فرد دوسرے فرد یا افراد سے رہا رکھتا ہے تو پھر جو کچھ ہو رہا ہے، اس پر ہم سب کے سرعامت سے جھک جانے چاہئیں۔

ذہنی غلامی نے ہم کو ایک قوم اور ایک معاشرہ ہوتے ہوئے دو طبقوں میں بانٹ دیا ہے۔ ایک طبقہ دولت کے بل بوتے پر دوسرے طبقے سے مختلف ہو گیا ہے۔ اس کا رہن سہن بالکل الگ ہے، اس کا پہناوا الگ ہے، اس کی گفتگو کا انداز الگ ہے اور اس کی سوچ کا دھارا بالکل مختلف سمت میں بہہ رہا ہے۔

اس طبقے کے الگ تھلگ ہو جانے سے دوسرے طبقے پر جو اثر پڑا ہے وہ بھی کچھ کم دردناک نہیں ہے اس سے وہ ایک شدید نفسیاتی کشش میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اس نفسیاتی کشش کا ظہور جن جن صورتوں میں ہو رہا ہے، وہ ہمارے سامنے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم جان بوجھ کر ان پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر ہم اپنی آنکھوں پر بندھی ہوئی پٹی کو ذرا سا ادھر ادھر سرکا کر دیکھیں تو ہم سارے معاشرے کو دکھ میں کر دیں بدلتے ہوئے پائیں گے۔ ہم نے انگریز اور ہندو کی غلامی سے آزادی پالی تھی۔

آئیے! اس یوم آزادی پر ذہنی غلامی سے بھی آزادی حاصل کر لیں۔

مطرف سے تجھے چار ہزار درہم نذر ہیں، تیسری کیا تھی؟ غلام نے کہا، حق تعالیٰ تمہیں (شراب، فحش و فجور وغیرہ سے) توبہ کی توفیق دے۔ سردار نے کہا کہ میں نے (اپنے سب گناہوں سے) توبہ کر لی، چوتھی کیا تھی؟ غلام نے کہا کہ حق تعالیٰ شانہ میری اور آپ کی اور اُس بزرگ اور سارے مجمع کی مغفرت فرمادے۔ سردار نے کہا کہ یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ رات کو اس سردار نے خواب میں دیکھا، کوئی کہہ رہا تھا کہ جب تُو نے وہ تینوں کام کر دیئے جو تیرے اختیار میں تھے تو کیا تیرا یہ خیال ہے کہ میں وہ کام نہیں کروں گا جو میرے اختیار میں ہے؟ میں نے تیری، اُس غلام کی، منصور اور اُس سارے مجمع کی مغفرت کر دی۔ سبحان اللہ۔

(احوال بحوالہ "فضائل صدقات" حصہ دوم واقعہ نمبر 44)

محمد عبداللہ گل، ملی پور

حساب کتاب

آؤ	بچوں	سوال	کرد
ایک	اور ایک	ہوتے ہیں	دو
پڑھنے	والا	لگ جائے	پار
دو	اور دو	ہوتے ہیں	چار
بچہ	ہم بھی	پڑھتے تھے	
چار	اور دو	ہوتے ہیں	چھ
پڑھنا	کبھی نہ	کرنا بس	
آٹھ	اور دو	ہوتے ہیں	دس
پڑھ کر	چکو جیسے	تارا	
دس	اور دو	ہوتے ہیں	بارہ
علم والوں	نے پہاڑ کو	کھودا	
بارہ	دو ہوتے ہیں	چودہ	
علم نے	بر اک راز کو	کھولا	
چودہ	دو ہوتے ہیں	سولہ	
علم سے	مکن مکن دشمن	مارا	
سولہ	دو ہوتے	اٹھارہ	
علم والوں	کی کر	لوریں	
اٹھارہ	دو ہوتے ہیں	تیس	

کثر خالد۔ جزاوالہ



پھر پاکستان میں بسنے والوں کو ملے تو غور کرو۔ آزاد خیالی کی قیمتی کمیٹی پر سے ماروں نے پھر

ابھی کتابوں کا انتخاب بچوں اور والدین کیلئے ایک مسئلہ رہا ہے ہم آپ کی شکل آسان کئے دیے ہیں۔ ہم ہر ماہ آپ کے لئے بہترین کتابوں کا انتخاب کر رہے ہیں۔

خود پڑھئے دوسروں کو تحفہ دیجئے



تبصرے کے لئے دو جلدوں کا آن لائن درج ہے

شہر مرزا

نام کتاب: قائد اعظم ریاست
بھاولپور اور بلوچستان

مصنف: ڈاکٹر انعام الحق کوثر

قیمت: درج نہیں۔ ناشر: بلوچستان فاؤنڈیشن ٹرسٹ۔ 543
کوہسار ہاؤس۔ چلتن روڈ کوئٹہ۔ فون: 081-2882227
ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی پاکستان اور خاص طور پر بلوچستان کے
حوالے سے نمایاں خدمات ہیں۔ تحریک پاکستان کے حوالے



سے انہوں نے بہت سی
کتابیں لکھی ہیں۔ نواب
آف بہاولپور سر صادق محمد
خان عہاسی کے قائد اعظم
سے گہرے مراسم تھے۔
انہوں نے تحریک پاکستان
اور بعد ازاں پاکستان کے

لئے ہمیشہ فراخ دلانہ تعاون کیا۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد
انہوں نے حکومت پاکستان کو سات کروڑ روپے کی خطیر رقم دی
اس زمانے میں نئی کار صرف چار ہزار روپے میں مل جاتی تھی
اس کے ساتھ ہی انہوں نے ریاست کو پاکستان میں ضم
کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس طرح ریاست بہاولپور کو سب
سے پہلے پاکستان میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ اس
کتاب میں اس طرح کے پیش رو واقعات شامل ہیں۔ نئی نسل کو
ان سے آگاہ کرنے کیلئے فصیح اقبال (مرحوم) نے فرسٹ کے
تحت اس کی اشاعت کا اہتمام کیا۔

☆☆☆

نام کتاب: قائد اعظم اور
اسلامیہ کالج لاہور

مصنف: ڈاکٹر انعام الحق کوثر

قیمت: درج نہیں۔ ناشر: بلوچستان فاؤنڈیشن ٹرسٹ۔
543 کوہسار ہاؤس چلتن روڈ کوئٹہ

جب قوم میں کوئی بھی میری آواز سننے کو تیار نہ تھا اس وقت طلبا
نے میری مدد پر لبیک کہا اور تحریک پاکستان کے لئے بڑی
جانشانی سے کام کیا۔ پاکستان کے حصول میں سب سے بڑا
حصہ طلبا کا ہے۔ قائد اعظم کا طلباء کو یہ خراج تحسین ان کیلئے
اعزاز ہے۔ اسلامیہ کالج کے طلباء نے تحریک پاکستان میں

بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس
کتاب میں اس کالج کی
تحریک پاکستان میں
شمولیت اور خدمات کا
تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔
طلباء کو اس کتاب کا مطالعہ
ضرور کرنا چاہیے اور اب
طلبا کو تحیر پاکستان کے لئے اسی جذبے کے تحت کام کرنا
چاہیے۔ قلمس محبت وطن پاکستانی فصیح اقبال جن کا حال ہی
میں انتقال ہوا ہے انہوں نے ان کتب کی اشاعت کا قائل
حسین فیصل کیا۔



☆☆☆

نام کتاب: ہونا نہیں ہے وقوف

مصنف: حافظ مظفر حسن

مرتب: حسن عباسی۔ قیمت: 500 روپے۔ ناشر: نستعلیق
مطبوعات F-3 افگیر دز سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون: 37351963

حافظ مظفر حسن "پھول" کے مستقل لکھاری اور معروف مزاح
نگار ہیں۔ ان کی تحریریں اخبارات و رسائل کی زینت بنتی رہتی
ہیں۔ ان کا اپنا ایک منفرد انداز ہے۔ وہ بڑے سادہ انداز میں
لکھتے ہیں اور محض تحریروں سے پرہیز کرتے ہیں یوں کہ لیس
کہ ان کا انداز عوامی ہے لیکن وہ عوام و خواص دونوں میں
مقبول ہیں۔ اس کا ثبوت یہ
ہے کہ ان کی اس کتاب کا یہ
تیسرا ایڈیشن شائع ہوا
ہے۔ معروف شاعر حسن
عہاسی نے ان کی تحریروں کا
انتخاب اس کتاب کی
صورت میں کیا ہے۔ دیدہ



زیب سرورق کے ساتھ اشاعت خوبصورت ہے۔ ایک پھر اور
رنگین تصویروں کے اضافے نے کتاب کو مزید دلکش بنا دیا
ہے۔ جیسے کہ حافظ مظفر حسن خود ہیں۔

☆☆☆

نام کتاب: تم بچے نہیں رہے

مصنف: محمد ارشد سلیم

قیمت: 120 روپے ناشر: جہان پبلی کیشنز۔ چار سدا سنٹر لاہور

محمد ارشد سلیم معروف لکھاری ہیں۔ انہوں نے ابتداء بچوں
کے لئے لکھنے سے کی بچوں کے رسائل میں ان کی تحریریں
شائع ہوتی رہی ہیں۔ وہ لکھاری، ریسرچ ایسوسی ایٹ، اسکر
پرن اور انڈسٹری ہیں۔ اس کتاب میں بچوں کیلئے لکھی گئی
ان کی 15 کہانیاں شامل
ہیں۔ کہانیاں دلچسپ اور
خوبصورت انداز میں تحریر
کی گئی ہیں۔ دلچسپی اور
سبق دونوں موجود ہیں
بچوں کیلئے لکھی گئی تحریروں
کی یہی خوبی ہوتی ہے کہ



بچے تفریح کے ساتھ کوئی اخلاقی سبق بھی سیکھتے ہیں جو ان کی
کردار سازی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ امید ہے ارشد سلیم
بچوں کے لئے لکھنے کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔

☆☆☆

نام کتاب: شبیہ سے کشادہ بھل

شاعر: سر سرنو سولہ

ترجمہ: سندھپ تننا۔ قیمت: 200 روپے۔ ناشر: نستعلیق
مطبوعات F-3 افگیر دز سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
نیویارک امریکہ میں مقیم معروف لکھاری سر سرنو سولہ لکھی
میں لکھتے ہیں۔ ان کی شاعری میں لہروں کی سی روانی ہے۔ وہ
پردیس میں رہ کر بھی ماں



بولی کو سینے سے لگائے
ہوئے ہیں اور اس کے
فروغ کے لئے مصروف
رہتے ہیں۔ بھائی آری
رائز کلب انٹرنیشنل کی
روح رواں سندھپ تننا
نے لکھی سے شاہ بھی
میں سر سرنو سولہ کی شاعری

کا ترجمہ کر کے اور حسن عہاسی نے خوبصورت کتاب کی شکل
میں شائع کر کے ایک خوبصورت شاعر سے متعارف کروانے
کا اہتمام کیا ہے جس کیلئے شاعر، مترجم اور ناشر لائق تحسین
ہیں۔ اس کتاب کی اشاعت سے یقیناً سر سرنو سولہ کے
داعوں کا حلقہ وسیع ہوگا۔

☆☆☆

پاکستان میں بسنے والوں کو ملے تو غور کرو۔ آزادی کی کتنی قیمت کی تھی پہلے داروں نے پھول

اگست میں پیدا ہونے والی چند مشہور شخصیات

تاریخ پیدائش	شخصیت	مرزا اسلام بیگ
2 اگست	سابق آئی چیف	مرزا اسلام بیگ
2 اگست	گلوکار	نجم شیراز
2 اگست	سیاستدان	غلام مصطفیٰ کھر
4 اگست	سیاستدان	مخدوم امین فہیم
4 اگست	مصنف شاعر	امجد اسلام امجد
5 اگست	کرکٹر	عاقب جاوید
6 اگست	کرکٹر	اقبال قاسم
9 اگست	ہدایتکار	سید فیصل بخاری
10 اگست	صحافی	چند سلیم
11 اگست	سابق صدر آئی چیف	پرویز مشرف
13 اگست	سیاسی رہنما	شمینہ خالد گمرکی
13 اگست	کرکٹر	شعیب اختر
14 اگست	کرکٹر	رمیز راجہ
14 اگست	کرکٹر	شرجیل خان
14 اگست	سماجی کارکن	انصار برنی
14 اگست	سماجی کارکن	بلیٹس ایچی
16 اگست	اداکار	فیصل قریشی
19 اگست	گلوکار	عطاء اللہ خان
19 اگست	سابق مہمان وزیر اعظم	عسی خیلوی
20 اگست	سیاستدان	محمد میاں سومرو
21 اگست	سیاستدان	آفتاب احمد
22 اگست	ایئر پھول	خان شیر پاؤ
23 اگست	سابق جنرل	ماروی میمن
24 اگست	گلوکار	محمد شعیب مرزا
25 اگست	کرکٹر	جنرل طارق مجید
27 اگست	کرکٹر	سجاد علی
28 اگست	اداکار	سکندر بخت
	ہدایتکار	محمد یوسف
		ثانیہ سعید

عائشہ جشید

مذہب کے ساتھ ساتھ ثقافتی، سیاسی، تعلیمی اور معاشی طور پر بھی بہت نقصان پہنچایا۔ یہی وجہ تھی کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے ایک آزاد مملکت کے قیام کا مطالبہ کیا اور 14 اگست 1947ء کو پاکستان وجود میں آ گیا۔

جب پاکستان بنا تو یہ وہ مملکت تھی جس کے دریا اور زمین کے اہم حصے بھارت کو دے دیے گئے تھے۔ افواج اور فوجی اثاثوں کو تباہ کر دیا گیا تھا قیمتی جانوں کو گاجر مولیٰ کی طرح کاٹا گیا۔

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور موت کیا شے ہے، فقط عالم معنی کا سفر تاریخ گواہ ہے کہ قیمتی جانوں کی قربانی رائیگاں نہیں گئی اور اس آزاد مملکت کے مسلمان شہریوں نے اپنی ہمت اور محنت سے بہت کم وقت میں

پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

پاکستان ہماری شان۔ ہماری پہچان

پاکستان کو تمام مسائل سے باہر نکالا اور پاکستان کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کر کے دنیا کو حیرت زدہ کر دیا اور آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے برصغیر میں ایک آزاد اسلامی ریاست قائم ہے جہاں مسلمانوں کو ہر طرح کی مذہبی و تہذیبی آزادی میسر ہے۔

پاکستان ہماری شان، ہماری پہچان ہے۔ آج کے دور میں ہمیں جن مسائل کا سامنا ہے پورے پاکستان کے شہریوں کو مل جل کر ان مسائل کو حل کرنا ہے کیونکہ ہماری یہ زمین جسے بے شمار قربانیاں دے کر حاصل کیا گیا ہے قدرتی نعمتوں سے مالا مال ہے۔ پانی، ہوا، جنگلات اور خاص طور پر معدنی وسائل پاکستان کی تعمیر و ترقی میں بنیادی کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ان وسائل سے بھرپور فائدہ

پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اس کلمہ طیبہ کے نعرے کا مطلب یہ تھا کہ ایسی سرزمین کا حصول جہاں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کی جائے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر زندگی بسر کی جائے۔ برصغیر ہندوستان میں رہنے والے مسلمان ایک ایسا وطن چاہتے تھے جہاں اسلامی نظام نافذ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے ضابطہ حیات پر عمل کیا جاسکے۔ قائد اعظمؒ نے فرمایا کہ:

”میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اس اسوہ حسنہ پر ملے گی جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلام ﷺ نے عطا کیا۔“

معدنی وسائل پاکستان کی تعمیر و ترقی میں بنیادی کردار ادا کر سکتے ہیں۔

حاصل کرنے کے لئے اور زیادہ محنت سے کام کیا جائے تو ملک میں بہت جلد خوشحالی کا راج ہوگا۔ انشاء اللہ۔

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کھٹ۔ ویراں سے ذرا تم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساتی ☆☆☆

علامہ اقبالؒ نے خطبہ الہ آباد میں اسلام کی تعلیمات کے سنہری فوائد بیان کئے اور مسلمانوں کو تلقین کی کہ وہ قرآن مجید کی تعلیمات کو تمام لیں تاکہ غیر مسلموں سے نجات حاصل ہو سکے۔

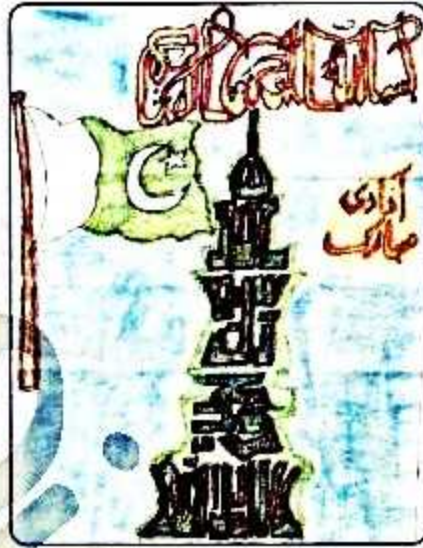
غیر مسلموں یعنی انگریزوں اور ہندوؤں نے مسلمانوں کو

پہول پاکستان میں ملنے والی ادب کے طرز پر نمودار کرو۔ آزادی کی تقنی قیمت کی تھی پیر۔ داروں نے پھول

عائشہ سردار قادری۔ گوجرانوالہ



نوریہ مدثر۔ سیالکوٹ



مرحمان مہی۔ بہار نگر



اقرارشید۔ ننگرانہ فوڑ



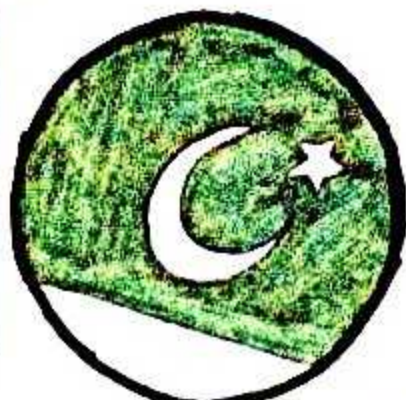
ایمرا احمد۔ جالوالہ



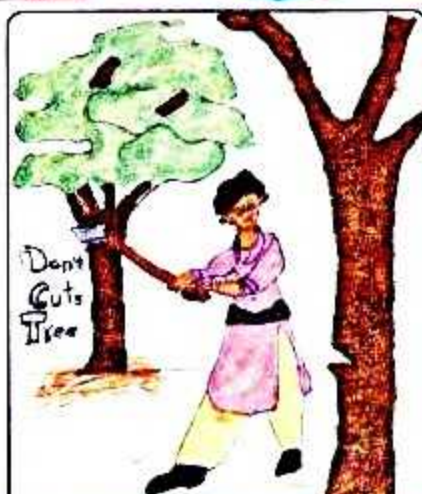
انبلہ ارشد۔ فقیر والی



عدنان غفور۔ روہیلانوالی



عدنان ملک۔ نوشہرہ



پاکستان میں بسنے والوں کو ملنے والے تغیرات پر مبنی قیامت کی تہمتی پتھر داروں نے پھینکا

اسے پسند کرتے تھے۔ سب اس کے خوبصورت پروں کی تعریف کرتے اور اس کی سریلی آواز کو سراہتے بس اس کی ایک عادت ایسی تھی جو کسی کو پسند نہ تھی اور وہ تھی اپنے اوپر مٹی ڈالنا۔ وہ جب بھی خوشگوار سوڈ میں ہوتا اپنے بچوں سے مٹی اڑا کر اپنے اوپر ڈال لیتا۔ سب جانور اسے سمجھاتے کہ یہ عادت اچھی نہیں ہے۔ اس سے نہ صرف مٹی اس پر پڑتی بلکہ ہوا سے اڑ کر دوسروں پر بھی پڑتی۔ سب جانور اسے کہتے کہ وہ اسے پسند کرتے تھے۔ سب اس کے خوبصورت پروں کی تعریف کرتے اور اس کی سریلی آواز کو سراہتے بس اس کی ایک عادت ایسی تھی جو کسی کو پسند نہ تھی اور وہ تھی اپنے اوپر مٹی ڈالنا۔ وہ جب بھی خوشگوار سوڈ میں ہوتا اپنے بچوں سے مٹی اڑا کر اپنے اوپر ڈال لیتا۔ سب جانور اسے سمجھاتے کہ یہ عادت اچھی نہیں ہے۔ اس سے نہ صرف مٹی اس پر پڑتی بلکہ ہوا سے اڑ کر دوسروں پر بھی پڑتی۔ سب جانور اسے کہتے کہ وہ



مٹی عادت جتنی جلدی چھوٹ جائے اتنا ہی اچھا ہے

بر کی عادت

یہ جلد ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ سن کر سب جانوروں کی جان میں جان آئی۔ ہد ہد نے کہا ”بھینا لکھن جب تک تمہارے زخم ٹھیک نہیں ہو جاتے تم گھر سے باہر نہ نکلتا۔ تب تک تمہارے کھانے پینے کا بندوبست ہم کریں گے۔“

بلخ اپنے گھر جا کر لکھن کے لیے انڈے لے آئی، مانی خرگوش مڑکی پھلیاں اور گھبری اخروٹ اور بادام لے کر آگئی یوں لکھن کے پاس کئی دنوں کی خوراک اکٹھی ہو گئی۔ اب وہ مکمل آرام کر رہا تھا۔ چند ہی دنوں میں لکھن کے زخم ٹھیک ہو گئے۔ پھر ایک صبح اس نے پورے جوش سے اذان دی۔ لکھن کی آواز سن کر سب جانور اور پرندے اس کے گھر کے باہر اکٹھے ہو گئے اور سب نے اسے صحت پابی کی مبارکباد دی۔ لکھن نے ان سب کا شکر یہ ادا کیا اور آئندہ مٹی اڑانے کا وعدہ کیا۔

یہ عادت چھوڑ دے مگر لکھن ان کی بات ایک کان سے مٹا اور دوسرے سے نکال دیتا۔

مٹی اڑاتے ہوئے لکھن کی حالت عجیب ہو جاتی۔ وہ سینے کے بل زمین پر لیٹ جاتا اور اپنے بچوں سے مٹی اڑا کر اپنے اوپر ڈالتا جاتا ایسا کرتے ہوئے اسے اپنے گرد و پیش کا کچھ ہوش نہ رہتا۔

ایک دن لکھن اپنے بچوں سے مٹی اڑا کر اپنے اوپر ڈال رہا تھا اور اپنے گرد و پیش سے بالکل بے خبر تھا۔ ایسے میں ایک لومڑی شکار کی تلاش میں ادھر سے گزری! اس کی نظر لکھن پر پڑ گئی۔ لکھن کو بے خبر پا کر وہ اس پر چھٹی اور اسے گردن سے دبوچ کر کھینچنے لگی۔ لکھن کی طرف بھاگی۔ اتفاق سے اس وقت ہد بھی کھینچنے لگی۔ لکھن نے جب لکھن کو لومڑی کے قہقہے میں دیکھا تو جلدی سے واپس آیا اور سب جانوروں کو یہ بات بتائی

جھل کے ایک حصے میں بہت سے جانور رہتے تھے۔ ایک اونچے برگد پر بلبل اور نیلی چڑیا نے اپنے گھونسلے بنا رکھے تھے۔ برگد کے تنے میں سوراخ کر کے ہد نے وہاں اپنا گھر بنا لیا تھا۔ ایک شاخ پر کوئے کا گھونسلہ تھا۔ برگد کی جڑ میں خرگوش کا گھونسلہ تھا۔ بلخ نزدیک ہی تالاب کے کنارے رہتی تھی۔ تالاب کے کنارے میں جھاڑیوں میں لکھن مرغ کا گھر تھا۔ تمام جانور اور پرندے پر امن اور پرسکون زندگی گزار رہے تھے۔ وہ ایک دوسرے کی خوشیوں میں شریک ہوتے اور مشکل وقت میں ایک دوسرے کے کام آتے جب کسی جانور کو کھانے کو کچھ نہ ملتا تو یہی بلخ فراخ دلی سے اپنا انڈہ اسے دے دیتی۔ ہد ہد دور دراز جگہوں کی خبریں اور دلچسپ باتیں سناتا۔ خرگوش کھیتوں سے مولیاں، گاجریں، شمار اور مڑا کر سب کی توضیح کرتا۔ کبھی کبھی گھبری انہیں اپنے گھر بلاتی اور وہ اخروٹ، خوبانی اور مونگ پھلی سے دعوت اڑاتے۔ لکھن مرعہ صبح صبح اذان دے کر صبح ہونے کا اعلان کرتا۔ اس اعلان پر سب جانور اور پرندے خوش خوشی اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے اور پھر دانے ڈنگے کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے۔

لکھن مرغ کی خوش مزاجی کی وجہ سے سب جانور

پسند و ناپسند مثلاً موبائل فون سیٹ، کتب، ٹی وی پروگرام وغیرہ کے انتخاب میں بھی ذاتی رجحان کی بجائے جدید رجحان کو ترجیح دی جاتی۔ اگر یہی زبان سیکھنے اور بولنے کا مقصد اس کا جدید علوم اور بین الاقوامی رابطے کی زبان ہوتا نہ تھا بلکہ محض یہ کہ دانشور قرار پایا جائے۔ تحائف محبت بڑھانے کو نہیں، قرض اٹارنے یا مقرض کو دے جانے۔

وہ ایک زیوں حال معیشت، بیرونی طاقتوں کے رحم و کرم پر قائم حکومت، ہزار کلوں میں بنے مذہب اور یہودہ ہندو کی عکاسی کرنی معاشرت رکھنے والے ملک میں رہ رہا تھا۔ کبھی وہ خود کو مظلوم گردانتا کہ وہ ایسے ملک میں رہنے پر مجبور ہے مگر اگلے ہی لمحے وہ پاکستان کو شکایت بھری نظروں سے اپنی جانب دیکھتا محسوس کرتا جس کی آنکھوں میں دکھ صاف بولتا تھا کہ وہ تو خود ایسے وجود رکھنے اور پالنے پر مجبور ہے۔ وہ کبھی کبھی اس قید بھری زندگی سے زچ ہو جاتا مگر گزارتے رہنے کا خود کو پابند پاتا۔ ہر سال جشن آزادی پر لوگوں کو آڑی کے نعرے لگاتے دیکھتا تو دکھ بھری ہنسی اس کے لبوں پر آ جاتی کہ اتنی قیود میں جکڑے انسان کا آزادی کا دعوئی کرنا کتنا مضحکہ خیز ہے!

ان پتھروں کے شہر میں جینا محال ہے
ہر سنگ کھڑا ہے، مجھے دیوتا کہو!
مگر ابھی تیرلی کا وقت نہ آیا تھا لہذا
وہ خود بھی جھنڈا تھا سے ان نعروں میں پیش پیش
ہوتا۔ کبھی اسے لگتا زندگی بذاتِ خود ایک قید ہے نہ
انسان اپنی مرضی سے آیا، نہ اپنی مرضی سے جیا اور نہ اپنی
مرضی سے جائے گا۔ آزادیِ محض ایک خوش نما لفظ ہے
جس کا حصول ناممکنات میں سے ہے۔ مالکِ حقیقی اُنکی
اندرونی تکلیف سے واقف تھا۔ تقریباً سال ہو چلا تھا
جب فیس بک پر ایک پوسٹ پر کسی غیر مسلم کے توہین
آمیز ریڈارکس اُس کی نظر سے گزرے اُس کا خون یک
دم کھول اٹھا۔ اُس نے اسے ٹیک کرتے ہوئے خوب بُرا
بھلا کہا۔ اپنے دین اور نبی محترم ﷺ کا دفاع کر کے وہ
خوش محسوس کر رہا تھا مگر یہ خوشی عارضی دلچاسی تھی کیونکہ دو
منٹ بعد ہی جواب اسے ان باکس کر دیا گیا تھا جس کا
لفظ لفظ طعن میں ڈوبا ہوا تھا اور مسلمانوں کے قول و فعل
کے تضاد کو مدِ تنقید بنایا گیا تھا۔

دل کی دتا بدل گئی تھی !!!

وہ آف لائن ہو گا مگر سوچ کے دروا ہو گئے تھے !!!

وہ تمام لیا گیا تھا!!!

اور یہی وقت تھا جب وہ آزادی و غلامی، ظلمات و نور، عروج و زوال، یقین و بے یقینی، مایوسی و امید، خوف و شکون، بے راہروی و راہبرد، غیر سستی و سست، جزو کل



حاجز جس

جب سے غلامی کی یہ زنجیر اُس نے پھینکی تھی، آزادی کا صحیح لطف آنے لگا تھا۔ دیکھنے والوں کو لگتا اُس نے اپنی زندگی کے گرد ایسا محاصرہ، دائرہ کھینچ لیا ہے جو اُس کو محدود و محدود کر دے گا اور وہ آزاد فضاؤں کو ترس جائے گا مگر یہ تو وہی جانتا تھا کہ ایسے آزاد سانس اُسے اس سے پہلے کبھی میسر ہی کب آئے تھے۔ وہ آزادی و غلامی کو ایک دوسرے کے متضاد ہی سمجھتا آیا تھا اب تک، مگر یہ کون سا مقام تھا جہاں غلامی، آزادی کے ہم معنی قرار پائی تھی۔ وہ تہہ بہ تہہ اندھیروں میں بھٹکتا آیا تھا مگر اب نور واحد نے اندھیروں کی اجتماعیت کو شکست دے ڈالی تھی۔ ہر

اُسے لگا جیسے درست سمت میں اس کے سفر کا آغاز ہو گیا ہے

وہ اک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے!

نہیں، نہیں وہ کافر سے مسلم نہ ہوا تھا۔ وہ تو پیدائشی مسلم تھا۔ فرق صرف یہ آیا کہ کلمہ اسلام اس کی لسان سے قلب تک جاتا تھا۔ وہ ایک لائٹ بلی سا نوجوان تھا۔ جھوم کے ساتھ بے سوچے سمجھے چلا جا رہا تھا۔ مگر کبھی کبھی اُس کے وجود کے اندر کہیں سوچ کے دروا ہوتے رہتے شاید یہ اُس کے بے پناہ مطالعے کا ثمر تھا۔ دنیا بھر کے اُدبا و شعرا کو پڑھنا اُس کا مشغلہ تھا۔ وہ آزادی کا متوال تھا مگر اُسے لگتا وہ بے شمار قیود میں جکڑا ہوا ہے۔ سب سے بڑھ کر ”لوگ کیا کہیں گے؟“ کا ہمہ وقت خوف، کبھی معاشرتی رسوم و رواج کو پورے اہتمام سے صرف اس لیے ادا کیا جاتا کہ یہ ہماری روایات ہیں خواہ اُن کی کوئی دینی و عقلی بنیاد ہی نہ ہو۔ کبھی بے ڈھنگے فیشن کو محض اس لیے اپنایا جاتا کہ ”ماڈرن“ قرار دیا جائے۔ اپنی ذاتی

عروج کے بعد زوال آتا ہے۔ یہ کیا عروج تھا کہ جس کے بعد آنے والا زوال خود اُس کے لیے عروج بن گیا تھا۔ تاریک راستے پر سرپٹ بھاگتے بھاگتے ایک مقام پر اُسے لگا اُس کا اگلا قدم زمین پر نہیں، ہوا میں پڑا ہے۔ خوف اُس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرایت کر گیا۔ حیات منجمد ہو گئیں۔ اگلے قدم نے اُسے غیر متوازن کر دیا تھا۔ مگر تا جتنی تھا۔ محرومہ کیسا اگر کا تمام لیا گیا!!! وہ بھی ایسی آغوش میں کہ جس کی گرمی محبت کا مقابلہ سزا آغوشِ مادر بھی نہیں کر سکتیں۔

ہائوس، امید بن گئی تھی۔ خوف، سکون کا محاذ ادھر ٹھہرا تھا۔
بے راہروی کو راہ میسر آ گئی تھی۔ بے یقینی، یقین سے
بدل گئی تھی۔ غیر سستی، سست پانگنی تھی۔ ہزار اجزائیں منقسم
دل پھر سے کل بن گیا تھا۔

لباس کی دعوت

عمر درداز کی بات ہے۔ ایران کے شہر شیراز میں فارسی زبان کے عظیم شاعر حضرت شیخ سعدی رہتے تھے۔ بہت سے دوسرے شاعروں اور مصنفوں کی طرح وہ بھی امیر آدمی نہ تھے۔

ایک بار شیراز کے ایک نامور سوداگر نے ایک دعوت کا اہتمام کیا۔ جوان کی بیٹی کی شادی کے سلسلے میں رکھی گئی تھی اور شہر کے سوداگروں کو دی گئی تھی۔ شیخ سعدی کو بھی دعوت نامہ ملا اور انہیں شرکت کے لئے جانا پڑا۔

میزبان اور ان کی برادری کے لوگ مہمانوں کے استقبال کے لئے دروازے پر موجود تھے۔ وہ ہر آنے والے کو کھانے کے کمرے میں لے جاتے جو قریب ہی تھا مہمانوں کی کثرت تھی۔ شیخ سعدی بھی کھڑے تھے اس انتظار میں کہ کوئی ان کی طرف متوجہ ہو۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔

اصل وجہ یہ تھی کہ ان کا لباس ذرا بھی شاندار نہ تھا۔ جب کہ مہمانوں نے زرق برق لباس پہن رکھے تھے۔ سعدی خاموشی سے وہاں سے چلے گئے اور ایک دکان سے کرائے پر زرق برق لباس لیا ساتھ ایک عمامہ بھی لیا، پھر قد آدم آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا۔ ان کا حلیہ بالکل بدل چکا تھا۔

اب سعدی واپس تقریب میں گئے۔ مہمان شاعر کو دیکھ کر میزان کا گرم جوشی سے مصافحہ کر کے گلے لگا یا اور کہا میری آنکھیں کب سے آپ کی راویں رہی تھیں۔ آپ کے بغیر تو یہ محفل بالکل اوجوری معلوم ہوتی۔ سعدی خاموش رہے۔ پھر جب کھانا شروع ہوا تو میزان نے خود سعدی کے آگے تورمہ اور بریانی کے برتن رکھے۔ سعدی نے لباس سے مخاطب اور کہا یہ کھانا اصل میں تمہارے لئے ہے۔ میزان حیران ہوا اور بولا حضرت، آپ کا لباس کیسے کھا سکتا ہے؟ شیخ سعدی بول اٹھے جناب والا کچھ دیر پہلے میں معمولی لباس میں تھا مجھ پر کسی نے دھیان نہیں دیا بلکہ آپ تو ناراض معلوم ہوتے تھے۔ میں فوراً بازار گیا اور کرائے پر عمدہ لباس لے آیا اور آپ نے میری بڑی پزیرائی کی۔ مختصر یہ کہ یہ دعوت میری نہیں میرے لباس کی ہے۔ میزان اور دوسرے مہمان دم بخود رہ گئے اور کسی نے کچھ نہ کہا۔

حافظ اقبال رحمن۔ لاہور

اے ماہ رمضان

اے ماہ رمضان آہستہ چل
ابھی کافی قرض چکانا ہے
اللہ کو کرنا ہے راضی
اور مگناہوں کو بخشوانا ہے
کچھ خواب ہیں جن کو لکھنا ہے
اور تعبیروں کو پانا ہے
کچھ لوگ ہیں اجڑے دل والے
ان دلوں میں پیار بہانا ہے
اور خزاں رسیدہ آئینہ میں
خوشیوں کا ویپ جلانا ہے
کچھ توبہ کرنا باقی ہے
اور رب کو ہم نے منانا ہے
جنت کا کرنا ہے سودا
اور دوزخ سے خود کو بچانا ہے
اے ماہ رمضان آہستہ چل
ابھی کافی قرض چکانا ہے

انتخاب:- سہیل احمد - کراچی

پھول

دادی کہتی ہیں ہامعقول
کیوں بیٹھی ہے تو فضول
یہ لے پکڑ ماہنامہ پھول
اپنی طبعیت کر لے کول
ایڈیٹر اس کے مجید لفظی
وہ بندہ ہے ہا اصول
تب سے یہ ہے ساتھی میرا
نہیں ہے اس کا کوئی مول

رحما اولیس - گوجرانوالہ

سکون، بے راہروی و راہروی، غیر سستی و سستی، جزو و کل کے سنگم پر کھڑا تھا!

وہ غلامی ظلمات، زوال، بے یقینی، مایوسی، خوف، بے راہروی، غیر سستی اور جزو کو پیچھے چھوڑ کر آزادی، نور، عروج، یقین، اُمید، سکون، راہروی، سستی اور کل پر قدم رکھ چکا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ گرد آئینے پر نہیں، خود اُس کے اپنے چہرے پر جمی گئی۔

اور پھر اس آگئی کو اُس نے خود تک محدود نہ رکھا بلکہ دوسروں کو بھی زیادہ سے زیادہ احساس دلایا۔ اُس کا تبدیل شدہ عمل اور پرسکون زندگی بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی اس راستے پر لے آئی تھی۔
میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا اب وہ خواہشات نفس اور شیاطین جن داس کی غلامی سے نکل آیا تھا۔ اُس نے عروۃ الوثقی کو تھام لیا تھا جو سرچشمہ ہدایت ہے۔ بہت سے معبودوں کو پیچھے چھوڑ کر صرف ایک اللہ واحد کا غلام بن گیا تھا جس کی رحمت کا دامن ہر ایک کے لئے وسیع ہے۔ زندگی قید نہ رہی تھی بلکہ ایک وسیع و لاغائی زندگی کا تسلسل بن گئی تھی۔ انگریزی زبان کے ایک شاعر جان ڈن کے مطابق (John Donne)

"Take me to you, imprison me, for i, Except you enthrall me, never shall be free"

(اے خدا تو نے مجھے اپنی تحویل میں لے لے کیونکہ میں جب تک آزاد نہیں ہو سکتا جب تک تو مجھے قید نہ کر لے)
وہ اب بھی دنیا بھر کے ادبا و شعرا کو پڑھتا مگر اب اس کے پاس ایک کسوٹی تھی۔ وہ قرآن مجید کی عینک لگا کر ان علوم کو پڑھتا تو اس شفاف شیشے سے بُرا اور بھلا بالکل الگ الگ نظر آنے لگتا۔ اب وہ ہر ایک سے متاثر ہو کر سر نہ دھنسنے لگتا بلکہ نبی محرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق حکمت کے موتی جہاں سے بھی ملتے، اپنی متاع سمجھ کر اپنی جھولی میں بھر لیتا۔

اس بار کا یوم آزادی پچھلے سال کے یوم آزادی سے یکسر مختلف تھا اور ایک انوکھا ذائقہ لیے ہوئے تھا۔ اُس نے دوسرے "آزاد" ساتھیوں کے ساتھ مل کر ایک ورکشاپ کا اہتمام کیا جہاں نوجوانوں کو ایک ایسے سجدے کی دعوت دی جارہی تھی جو انہیں ہزار سجدوں کی غلامی سے نجات دلا کر یکسو کر دے گا۔

پاکستان کے چہرے پر دھیمی مسکراہٹ، اُمید کی پھوٹی کرن کی غماز تھی۔ اُسے لگا آزاد ہوتا پاکستان اُمیدور جا کے بھرپور احساس کے ساتھ کرسی صدارت پر براجمان ہے!!!

یاسمین کنول

آزادی لفظ غلامی کا متضاد ہے اور جب ہم آزادی کی بات کرتے ہیں تو فوراً یہ لفظ بھی ہمارے ذہن میں آ جاتا ہے غلامی۔ اور یہی لفظ ہمیں اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ آزادی بڑی نعمت ہے۔ اس بات کا احساس ہم سے زیادہ ہمارے زرگوں کو ہے کیونکہ ہم نے تو آزاد فضا میں جنم لیا اور آزاد فضاؤں میں سانس لے رہے ہیں۔ ہمیں اس نعمت کی اتنی قدر نہیں جتنی ہمارے زرگوں کو

شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے۔ جب ہی سے ہم سرگرم عمل ہو گئے اور غلامی کے سو سالوں کو حقیر جانتے ہوئے آزادی کے ایک سنہری دن کا انتظار کرنے لگے۔ ہمارا انتظار 14 اگست

1947ء کو ختم ہو گیا جب ہمارا ملک پاکستان پہلی بار دنیا کے نقشے پر ظہور پذیر ہوا۔ اس دن قوم نے غلامی کی زنجیریں اتار پھینکیں اور آزادی کا چاند ستارے والا سبز ہلالی پرچم بلند کیا۔

14 اگست کے بعد دنیا کی سب سے بڑی ہجرت کا آغاز ہوا۔ کروڑوں مسلمان ہندوستان سے پاکستان کی جانب عازم سفر ہوئے اس موقع پر انہیں بے شمار جانی اور مالی قربانیاں دینا پڑیں۔ یہ ان قربانیوں کا ٹھہرے کہ ہم ایشیا کے باعزت اور آزاد ممالک کی صف میں کھڑے ہیں۔ انہی مہاجروں شہیدوں اور گمنام سپاہیوں کی یاد کے لئے ایک قومی یادگار باب پاکستان کے نام سے تعمیر کی گئی ہے تاکہ عوام اور آنے والی نسلیں ان کو خراج تحسین پیش کر سکیں اور جذبہ حب الوطنی اجاگر ہو سکے۔

14 اگست پاکستان کی سالگرہ کا دن ہے۔ زندہ قومیں قومی تہوار ترک و احتشام سے مناتی ہیں۔ 14 اگست 1947ء سے 14 اگست

2014 تک بلاشبہ پاکستان نے ترقی کی بے شمار منازل طے کی ہیں دنیا کے ہر میدان میں اپنا سکہ بٹھانے کی کوشش کی ہے۔ تاہم آج جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت محسوس کی جا رہی ہے وہ قومی یکجہتی اور مساوات کی ہے۔ قومی بھائی چارہ جب خون کی طرح عوام میں سرایت کرے گا تو دہشت گردی کی فضا امن و شکی کا گہوارہ بن جائیگی۔ ضرورت قومی اتحاد اور عدل و انصاف کا بول بالا کرنے کی ہے۔ حکومت کے ساتھ عوام کا بھرپور تعاون اس کو یقینی بنا سکتا ہے۔ تاہم حکومت کا بھی فرض ہے کہ عوام کی بنیادی ضروریات بجلی، پانی، گیس اور راشن وغیرہ کا خیال رکھے۔ علاوہ ازیں تعلیم پر بھرپور توجہ دے تاکہ پاکستان کی نظریاتی ترویج ہو سکے۔ اللہ پاکستان کی حفاظت کرے اور دنیا میں اس کا ام بلند رکھے۔ آمین ختم آمین۔

14 اگست طلوع صبح آزادی

ہے جو بنگرے میں بند اور آزاد فضاؤں میں اڑنے والے پرندے میں ہوتا ہے۔ ہم غلام تھے اور اگر ہم تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہم اپنے تشخص کے لئے جدوجہد کر رہے تھے۔ ہمارے کتنے محمد بن قاسم آئے، سراج الدولہ اور شیخ سلطان جیسے بہادر گزرے۔ قائد اعظم اور علامہ اقبال جیسے لوگ آئے تو ہمیں غلامی سے نجات ملی۔

ہم نے جب یہ جان لیا کہ گیلڈر کی سوسال کی زندگی سے

ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ یوم پاکستان جیسے قومی تہوار ہمیں اس نعمت کی یاد دلاتے ہیں ہی اور بتاتے ہیں کہ آزادی حاصل کرنا آسان کام نہیں اس کے لئے بہت قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ ماؤں کو اپنے بیٹے بہنوں کو اپنے بھائی، سہانگوں کو اپنے سہاگ اور بچوں کو اپنے باپ قربان کر کے اس کی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔

سرکٹائے ہیں ہزاروں تب ہوئے ہیں سر بلند شاعر نے ایسے نہیں لکھا۔ آزادی اور غلامی میں وہی فرق

پاکستان میں بسنے والوں اور وقت طے کرنے والوں کو

مظہر ہے کہ وہ ریاست بیت اللہ اور مسجد الحرام کی دیکھ
بجائے کہ فریضہ انجام دیتی ہے اور زائرین کے لئے
سہولیات کا اہتمام کرتی ہے۔

فاؤنشن قلم

فائنٹین قلم 953ء میں مصر کے سلطان کے کہنے پر ایجاد



ہوا۔ اس نے حکم دیا تھا کہ ایسا قلم ایجاد کیا جائے جو اس کے کپڑوں اور ہاتھوں کو خراب نہ کرے یا دہے اس سے قبل پرندوں کے پر کو سیاہی میں ڈبو کر لکھا جاتا تھا۔

جس سے ہاتھ اور کپڑوں کو داغ لگنے کا خدشہ رہتا تھا۔

ابنہذا ایک ایسا قلم ایجاد کیا گیا جس میں روشنائی کو محفوظ کیا جاسکے، جیسا کہ آج کل کے قلم میں ہوتا ہے۔ البتہ اس قلم میں روشنائی بھرنے کیلئے قلم کی نوک سے ٹھکی اور شعری قوتوں سے استفادہ کیا جاتا تھا۔

0.97

یہ کہانی عرب یا شندے خالد کی ہے جو اپنی بھیڑ بکریاں چرانے کی غرض سے جنوبی حبشہ حالیہ اتھوپیا کے علاقے کا کافالے جایا کرتا تھا اکثر تحک کروہ اپنی بکریوں کیساتھ کسی درخت کے نیچے بیٹھ جاتا اور اس دوران بکریاں بھی آس پاس پودوں سے اپنا پیٹ بھری راتیں۔ ایک دن آرام کرنے کے دوران اس نے دیکھا کہ ٹھکن سے بڑھتا چل کھانے شروع کر دیئے اور ان میں دیکھتے ہی دیکھتے پھرتی آگئی ہے۔ خالد نے کچھ بیج جمع کئے اور انہیں اہال کر مشروب بنانے کا آغاز کیا۔ اس مشروب کو خالد نے قہود کا نام دیا۔ جسے آج ہم کافی کے نام سے جانتے



اس دریاخت کو
جلد
میں بہت
کچھ
عرصہ بعد اسے
جوش
سے یمن پر آم
کیا
پانے لگا جہاں
صوبی
خاص مواضع
پر رات بھر جاگ کر
مبادات کرنے کیلئے اسے

استعمال کرتے تھے۔ پندرہویں صدی میں کافی مکہ پاک
 رور ترکی میں بھی استعمال ہونے لگی۔ 1645ء میں یہ
 نیس چاسپچی 1650ء میں ترکی سے تعلق رکھنے والے
 ایک شخص پینکو یاروزی نے لندن میں اولین کافی ہاؤس
 کی بنیاد رکھی۔ تاہم جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، اس
 شروب کی پوری دنیا میں پذیرائی ہونے لگی اور تا
 بدل ہوتا رہا۔

منظم اسپتال ہونے کا درجہ حاصل ہے۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب طب کی اخلاقیات اپنے عروج پر تھی اور یہ شعبہ علم ابھی کاروباری انداز سے واقف نہیں ہوا تھا، ان اسپتالوں میں تمام تر معالجات مفت فراہم کیا جاتا تھا۔

صابن

اسلام میں صفائی کو نصف ایمان کا درجہ حاصل ہے۔ مسلمانوں میں وضو اور غسل روزِ حرام کی مذہبی ضروریات میں شامل ہے۔ اس بنیاد پر ممکن ہوا کہ مسلمانوں نے سب سے پہلے صابن کا جامع نسخہ تیار کیا جو صابن کی صنعت میں استعمال ہو رہا ہے۔ قدیم مصر میں صابن جیسی چیز کا استعمال ہوتا تھا قدیم رومی باشندے بھی خوشبودار صابن استعمال کرتے تھے لیکن یہ عربِ عیٰ تھے جنہوں نے نباتاتی تیل کو سوڈیم ہائیڈرو آکسائیڈ کو خوشبودار یعنی

علاقہ احمد

دنیا بھر کے مسلمان دن میں پانچ مرتبہ اپنا رخ کعبہ شریف کی طرف کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ روئے زمین پر یہ وہ مقام ہے جسے بیت اللہ یعنی اللہ کا گھر قرار دیا گیا ہے۔ کعبہ اللہ کو ڈھانچنے والے کپڑے کو غلاف کعبہ یا کسوٹی کہتے ہیں۔ کعبۃ اللہ کی طرح اس کا غلاف بھی تمام مسلمانوں کے لئے مقدس اور محترم ہے اور اس کی تاریخ بھی بیت اللہ کی تاریخ کا لازمی جزو ہے۔ کعبہ کی



تفسیر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کی۔ اس کا خلاف موجودہ شکل اختیار کرنے تک کئی مراحل سے گزرا ہے۔ اس کی تبدیلیوں میں متعدد سماجی اور اقتصادی عوامل کارفرما رہیں۔ تاہم اس کی تقسیم و بکھیر ہر دور میں مقدم رہی اور اسلام سے پہلے کے زمانے میں بھی اس کا خیال رکھا گیا۔ اسلام کے بعد کعبہ اللہ کے خلاف کی فراہمی مختلف اسلامی ریاستوں کا استحقاق رہا لیکن عام طور پر کہ مکرمہ پر سیاسی کنٹرول رکھنے والے حکمران ہی کسوٹی کا اہتمام کرتے تھے۔ خلاف کی فراہمی دراصل اس بات کی



فخر خان اشرف

کفر زماور

سنہ زٹاور، امریکہ کے شہر شکاگو میں قائم ایک بلند عمارت ہے جو اس وقت براعظم شمالی امریکہ کی بلند ترین عمارت کا اعزاز حاصل کئے ہوئے ہے۔ یہ عمارت ماضی میں دنیا کی بلند ترین عمارت بھی رہ چکی ہے۔ اس کے ماہر تعمیرات اسکڈمور، اوونگز اینڈ میرل کمپنی کے پروس مگرہم اور فضل الرحمن خان تھے۔ اس عمارت کی تعمیر کا آغاز اگست 1970ء میں ہوا اور 1973ء میں اس

نے نیویارک کے ورلڈ ٹریڈ سینٹر کا ریکارڈ توڑ کر دنیا کی سب سے بلند ترین عمارت کا اعزاز حاصل کیا۔ سفر نامہ میں کل 108 منزلیں ہیں اور تعمیر کی تکمیل پر اس کی بلندی 1450 فٹ



اور 17 مئی 1982ء میں ٹیکسٹائل ورکس انڈیا کی تحصیل سے اس کی بلندی 1707 فٹ یعنی 520 میٹر تک پہنچ گئی۔ جون 2000ء میں مغربی انڈیا مزید بلند کر دیا گیا جس سے یہ بلندی 1729 فٹ (527 میٹر) تک جا پہنچی۔

شفا خانے

دنیا میں سب سے پہلے شفا خانے یا ہسپتال کا تصور مسلم مساعداؤں اور اطباء نے دیا، اور نہ صرف تصور دیا بلکہ دنیا کے اولین شفا خانے تعمیر بھی کیے، جن میں اس وقت کا بہترین علاج مہیا کیا جاتا تھا۔ 872ء میں مصر کے شہر قاہرہ میں قائم کیے جانے والے اسپتال کو دنیا کے پہلے

پاکستان میں بسنے والوں کو ملے تو غور کرو۔ آزادی کی کتنی قیمت لی تھی پھر سے داروں نے پھول



قدرت جان



سچی خوشی کیسے حاصل ہو؟

مہرز ایک ہونہار طالب تھا۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسے ملک سے باہر جانے کی گن گن اور وہ دن رات اسی کوشش میں جتا رہنے لگا۔ آخر ایک دن اس کے دل کی مراد پوری ہوئی۔ باوجود گھروالوں کی مخالفت کے وہ لندن جانے کیلئے تیار ہو گیا۔ اس کا خیال تھا کہ اعلیٰ تعلیم کی وجہ سے وہاں جاتے ہی اسے اعلیٰ نوکری مل جائیگی لیکن اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی کیونکہ وہاں اسے ایک جزل سنور میں بمشکل سیزمین کی نوکری ملی۔ چنانچہ مجبوراً اسے وہی قبول کرنا پڑی۔ اسے اس بات کا دکھ تھا کہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن سے دور ایک معمولی نوکری کرنے پر مجبور ہے ایک دن وہ ڈیوٹی پر کھڑا تھا۔ ایک انگریز آیا اور اس کے قریب

گئی وہ چند روزہ ہوگی۔ انسان کو ایسے کام کرنے چاہیں جس سے اسے سچی خوشی حاصل ہو۔ فہد یولا

”پر کیسے“ احمد نے پوچھا۔
”یہ سوچنا تمہارا کام ہے“ فہد یہ کہہ کر چلتا ہوا۔ احمد گھر آ کر اسکی باتوں کے بارے میں سوچتا رہا لیکن اس کے ہاتھ کوئی سرانہ آیا۔ دوسرے دن جب اس نے اخبار میں پڑھا تو اس میں سرخیوں کے ساتھ شالی وزیرستان میں دہشت گردوں کے خلاف آپریشن سے لاکھوں لوگوں کے بے گھر ہونے کا ذکر تھا احمد کو کل کی فہد کی باتیں یاد تھیں۔ اس نے الماری سے ملے والے جیب خراج کے تمام پیسے نکال کر ابوکو دیے اور ان سے کہا۔ ”ابو آپ یہ پیسے متاثرین وزیرستان کے فخذ میں جمع کروادیں۔ وہ ہماری مدد کے زیادہ مستحق ہیں اور ہاں مجھے سائیکل کی ضرورت نہیں وہ پیسے بھی آپ اس فخذ میں جمع کروادیں کیونکہ میں جان گیا ہوں کہ سچی خوشی کیسے حاصل ہوتی ہے۔ انہوں نے احمد کو پیار کیا اور اس کے دل میں جو دوسروں کے لئے ہمدردی کا جذبہ تھا اسے سراہا۔ سچ ہے سچی خوشی دوسروں کی مدد کے ہی حاصل ہوتی ہے۔

☆☆☆

سارا اقرام

احمد کا موڈ کئی دنوں سے خراب تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اسے ابونے کہا تھا کہ اگر تم امتحان میں اول آئے تو تمہیں انعام میں سائیکل ملے گی۔ احمد نے بہت محنت کی تھی جس کی وجہ سے وہ اول آیا۔ اس نے ابوکو ان کا وعدہ یاد دلایا اس کے ابوکا ایک ہی جواب ہوتا ”چند دن بعد“۔

احمد غصے میں گھر سے نکل کر پارک میں چلا گیا جہاں اسے اپنا دوست فہد مل گیا اس نے جب احمد کا خراب موڈ دیکھا تو وجہ پوچھی۔ احمد نے اسے بتایا کہ ابونے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم اول آئے تو انعام میں سائیکل ملے گی مگر اتنے دن گزر جانے کے بعد بھی انہوں نے وعدہ پورا نہیں کیا۔ جب میں دوسروں کو سائیکل چلاتے دیکھتا ہوں تو میرا دل بھی چاہتا ہے کاش میرے پاس بھی سائیکل ہوتی تو میں بھی آج ان کی طرح خوش محسوس کرتا ”تو گویا تم عارضی خوشی حاصل کرتا چاہتے ہو“ فہد نے جواب دیا۔

”کیا مطلب“ احمد نے حیران ہو کر پوچھا۔
”سیدھی سی بات ہے سائیکل چلا کر تمہیں جو خوشی ملے

اپنا وطن

کھڑے دوسرے سیزمین سے فہد کی ماگئی۔ اس نے دکھائی تو اس پر (MADE IN PAKISTAN) لکھا تھا جس پر انگریز نے اسے لینے سے انکار کر دیا اور کہا مجھے میرے ملک کی بنی فہد کی دوتا کہ اس سے میرے ملک کو فائدہ ہو۔

مہرز نے جب یہ سنا تو اسے بے حد دکھ ہوا کہ یہ لوگ اپنے وطن کا کتنا خیال کرتے ہیں ایک ہم ہیں کہ اپنی اعلیٰ قابلیت اور لیاقت دوسروں کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ جلدی نوکری چھوڑ کر اپنے وطن واپس آ گیا۔ یہاں آ کر وہ اپنی تعلیمی قابلیت کی بناء پر اعلیٰ عہدے پر فائز ہو گیا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے ملک کی بنی ہوئی چیزیں استعمال کریں اس سے ہمارا وطن خوشحال ہوگا اور ہم خوشحال ہو گئے اور دنیا میں ہمارا وطن کا نام روشن ہوگا۔

پچھول پاکستان میں بسنے والوں کو ملے ملے تو غور کرو آزاد کی کتنی قیمت لی تھی پہرے داروں نے چھوٹوں

محمد شعیب مرزا



جب سے اُس نے اخبار میں خبر پڑھی تھی اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اسے یوں لگا جیسے اس کی برسوں کی آرزو پوری ہونے کے قریب ہے، جیسے اس کو اپنے خواب کی تعبیر ملے والی ہو۔ اخبار میں خبر تھی کہ مرخ پر جانے کے خواہشمند افراد کے لئے بنگلہ کا آغاز ہو گیا ہے۔

اُس نے جب اپنے نصاب کی کتاب میں مرخ کے بارے میں پڑھا تھا تو اس نے مرخ پر جانے کے خواب دیکھنے شروع کر دیئے تھے۔ اخباروں، رسالوں، انٹرنیٹ جہاں سے بھی اسے مرخ کے بارے میں معلومات ملتیں وہ جمع کرتا جاتا۔ وقت کے ساتھ ساتھ مرخ میں اس کی دلچسپی بڑھتی گئی۔ مرخ کے بارے میں سائنسدانوں کی تحقیق جیسے جیسے آگے بڑھ رہی تھی اس کے عزم و ارادے میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔

اُس کے والد کا وسیع کاروبار تھا۔ بہت بڑی فیکٹری، کئی پلازے، جائیدادیں وہ کروڑ پتی

وہ اپنے خوابوں کے نگر پر پہنچنے کے لئے بے چین تھا

میری اگلی نظر ستاروں پر

مہیا کیے اور اس کے نام کا اندراج کر لیا گیا۔ پانچ سال کے بعد اس کی باری آنا تھی اور اس نے اپنے خوابوں کی سرزمین پر قدم رکھنا تھا۔

وہ کئی گن کر دن گزارنے لگا۔ اس دوران اس کو اپنی صحت کا خصوصی خیال رکھنا تھا کیونکہ مرخ پر روانگی سے قبل اس کے تمام ٹیسٹ ہونے تھے۔ ذہنی و جسمانی صحت کے ٹیسٹ۔ کسی جسمانی یا ذہنی عارضہ کے باعث اس کی روانگی منسوخ ہو سکتی تھی جس سے پہلے جمع کردہ کئی گنی بھاری رقم ضائع ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے خوابوں کا محل چکنا چور ہو سکتا تھا۔

مرخ پر روانگی شروع ہو چکی تھی کچھ لوگ وہاں جا کر مخصوص عرصہ گزار کر واپس آ جاتے جبکہ کچھ لوگوں نے وہاں مستقبل سکونت اختیار کر لی تھی۔ کچھ نے وہاں سازگار ماحول کو دیکھ کر اپنے خاندان کے دیگر افراد کو بھی وہاں بلوایا تھا۔ ظاہر ہے یہ دنیا کے امیر ترین لوگ تھے جو اپنے شوق اور تفریح کیلئے بھاری رقم خرچ کر سکتے

وہ والدین کا لاڈلا بیٹا تھا جو اس کی ہر جائز خواہش پوری کرتے تھے۔ اُس نے بھی آج تک اپنے والدین کو مایوس نہیں کیا تھا۔ عمدہ اخلاق و سیرت کا مالک ذہین و جوان تھا۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔ والدین کسی ناگہانی خطرے کے پیش نظر چمکا ہٹ کا شکار تھے لیکن بیٹے کی خواہش اور شوق سے بھی آگاہ تھے۔ اس نے اپنے کمپیوٹر کی سکرین اور کمرے کی دیواروں پر بھی مرخ کی تصویریں لگا رکھی تھیں۔ جیسے ان کے لئے کوئی مسئلہ نہ تھا لہذا انہوں نے بیٹے کو اجازت دے دی۔

اجازت پا کر اس کی خوشی دو چند ہو گئی۔ اس نے فوراً متعلقہ ادارے سے رابطہ کیا۔ تمام تفصیلات اور کوائف

نہیں بلکہ ارب پتی تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم کے لئے یورپ بھیجا۔ وہ اس کی ہر خوشی کا خیال رکھتے تھے۔

وہ یورپ میں اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ساتھ مرخ کے بارے میں جدید معلومات بھی حاصل کرتا رہا۔ وہاں اس نے کئی سائنسدانوں اور خلائی تحقیق کے اداروں سے رابطہ رکھا۔ وطن واپس آ کر بھی ان سے رابطے میں رہا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی جستجو بڑھتی جا رہی تھی۔ جب اس نے خبر پڑھی کہ مرخ پر جانے کے خواہشمند مند لوگوں کا اندراج شروع ہو گیا ہے تو اس نے فوراً اپنے والدین سے بات کی۔

حافظ مظفر محسن کے والد کا انتقال

”پھول“ کے سینئر لکھاری اور معروف مزاح نگار حافظ مظفر محسن کے والد گزشتہ دنوں انتقال کر گئے۔ تمام قارئین سے دعائے مغفرت، درجات کی بلندی اور ایصال ثواب کی درخواست ہے۔

اقوال زریں

☆ موتی کی تلاش میں سمندر کی تہ تک پہنچنا ہی پڑتا ہے۔

☆ حج دلوں کی دیانت سے ہوتا ہے، سروں کی حجامت سے نہیں۔

☆ شیر اپنا شکار خود کرتا ہے اور گیدڑ دوسروں کے شکار پر گزارہ کرتا ہے۔

☆ زندگی میں موت کے علاوہ کوئی اور چیز یقینی نہیں۔

☆ جزیں کاٹ کر شاخوں کو پانی دینا دھوکہ ہی نہیں حقاقت بھی ہے۔

☆ سونے کو ہی زنگ لگ جائے تو بے چارہ لوہا کیا کرے۔

☆ غیر اللہ سے دعا و فریاد وہ تیر ہے جس کا کوئی ہدف ہی نہ ہو۔

☆ وہ مصیبت بھی مبارک جس سے اللہ یاد آ جائے۔

☆ سب سے اعلیٰ اور سب سے اچھی اصلاح وہ ہے جو اپنی ذات سے شروع ہو۔

☆ سب سے بڑی غلطی یہ سمجھنا کہ نہ کرتا ہے۔

☆ دنیا کے خطابوں میں سب سے زیادہ معزز خطاب ایماندار انسان۔

☆ تو سب دنیا سے حساب کتاب کرتا ہے کبھی کبھی اپنے آپ سے بھی کر لیا کر کہ کس راستے پر ہے۔

☆ بری باتوں پر کبھی کان مت دھرو ورنہ بری باتوں میں پھنس کر برے بن جاؤ گے۔

☆ مومن کی زندگی اللہ کیلئے اور موت بھی اللہ کیلئے۔

☆ جب تک خدا موجود ہے اس کی خدائی میں کون دخل دے سکتا ہے اور وہ تو ابد تک رہے گا۔ شیطانوں کو تو بے کر لینی چاہیے۔

☆ دوسروں پر کچھ عزت اچھا لو، اور نہیں تو آپ کے ہاتھ ضرور گندے ہو جائیں گے۔

عبدالقدیر - دوسرے - پھول

جہشہ کے نیک دل بادشاہ نجاشی کے

دربار حضرت جعفر کا بیان۔

اے شاہ ہم جاہل اور نہت پرست تھے۔ فحش کاری، قطع رحمی اور بدظنی میں مبتلا تھے۔ طاقت اور کمزور کا حق دیا جاتا تھا، بھائی بھائی کا دشمن تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھیجا۔ جس کی شرافت، سچائی اور امانت کو ہم خوب جانتے ہیں اس نے ہمیں نہت پرستی سے منع کیا، سچ بولنا سکھایا، ہمسائے سے حسن سلوک کی تلقین کی، یتیم کا مال کھانے سے روکا، عزیز و اقارب کے ساتھ صلہ رحمی، نماز، روزہ، زکوٰۃ کا حکم دیا اور یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ لہذا ہم اس پر ایمان لے آئے، یہ ہے ہمارا جرم یہ لوگ (کفار مکہ) ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ ہم شرک کی گمراہی میں پھر لوٹ آئیں۔“

محمد نمان فرید - ساولی - پھول

نئے پڑے سینے کی قیمت کی دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَا اُوَدِیْ بِہِ عَوْرَتِیْ وَ اَتَجَمَّلُ بِہِ فِیْ حَیَاتِیْ۔

ترجمہ:-

تو میرے لیے اللہ جس نے پہنائی مجھے وہ چیز جس سے چھپاؤں اپنے عورت کو اور خوبصورتی حاصل کروں اسے ساتھ اپنی زندگی میں



- 1- حضور ﷺ نے غزوہ خیبر کے لیے کتنے علم تیار کروائے؟
- 2- حرب قیس کن دو قبیلوں کے درمیان ہوئی؟
- 3- حضرت عبدالملک نے کب وفات پائی؟
- 4- قرآن مجید میں کتنے مقامات پر حضرت یعقوب کا ذکر آیا ہے؟
- 5- گلستان بوستان کس مشہور فارسی شاعر کی تصانیف ہیں؟

دارالاسلام کونستان کے جواہر ماہنامہ ”پھول“ کے ایڈیٹر ایس ایم اسحاق

کچھ عہدات کیجئے: 1۔ پانی (5) خوشامیوں کو دارالاسلام کی طرف سے ہر وقت مدد ملے گی 1000 روپے کی کتاب اللہ اللہ میں دی جائیگی۔ 2۔ 400 روپے کی کتاب ”دوسرا“ 250 روپے کی کتاب تیر اللہ 150 روپے کی کتاب ”دوسرا“ 100، 100 روپے کی کتاب

بچوں، بڑوں کے لیے اسلامی تاریخ کی کتابت کا عالمی ادارہ



36- اور مال - 33

تھے۔ وہ تمام خبروں اور صورتحال سے آگاہ رہتا تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اس آلودہ، فحش و عارت اور بے پناہ مسائل سے گھری دنیا کو چھوڑ کر مرغ پر ہی مستقل رہائش اختیار کر لے لیکن والدین اور بہن بھائیوں کی محبت اسے کوئی فیصلہ نہیں کرنے دے پا رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ مرغ پر جا کر اور وہاں کے حالات دیکھ کر ہی اس حوالے سے کوئی فیصلہ کرے گا۔

پھر وہ وقت بھی آ گیا جب اس نے مرغ کیلئے روانہ ہونا تھا۔ اس کے لئے ایک شاندار تقریب کا انعقاد کیا گیا۔ اس کا تعلق چونکہ ایک ترقی پذیر ملک سے تھا اس لیے وہاں سے بہت کم لوگوں کو مرغ پر جانے کا اعزاز حاصل ہوا تھا۔ تقریب میں خاندان کے افراد کے علاوہ شہر کے عمائدین اور میڈیا کے نمائندے بڑی تعداد میں وہاں موجود تھے۔ وہ کئی دن تک خبروں کا موضوع بنا رہا اور آخر اپنے خوابوں کے گھر روانہ ہو گیا۔

مرغ پر پہنچ کر وہ بہت خوش تھا۔ وہاں ایک نیا جہان آباد تھا۔ پانچ سال کے دوران وہاں دنیا کے مختلف ممالک سے بہت لوگ آچکے تھے۔ وہاں کی آب و ہوا سے ہم آہنگ ہوتے اسے چند دن لگ گئے۔ وہاں حیرتوں کے کئی سامان موجود تھے۔ وہ حیرت سے مرغ کے مختلف مقامات کو دیکھتا اور لطف اندوز ہوتا رہا۔ اسے وہاں گئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ایک روز اس نے ایک جگہ لوگوں کی طویل قطار لگی دیکھی۔ اس کا تجسس بڑھا اور وہاں بنے کاؤنٹر تک پہنچا اور لوگوں کے وہاں جمع ہونے کی وجہ پوچھی۔ اسے بتایا گیا کہ چند سال پہلے ایک نیا سیارہ دریافت ہوا تھا۔ سائنسدانوں نے تحقیق سے پتہ چلایا ہے کہ وہاں کی آب و ہوا انسانوں کے لئے موزوں ہے اور اگلے چند سالوں میں وہاں انسانوں کا جانا ممکن ہو جائے گا لہذا یہ لوگ اس سیارے پر جانے کے لئے اپنے ناموں کا اندراج کروا رہے ہیں۔ یہ سن کر وہ حیرت کے سمندر میں ڈوبتا چلا گیا۔

ممکن ہے کہ ٹو جس کو سمجھتا ہے بہاراں اوروں کی نگاہوں میں وہ موسم ہو خزاں کا شاید یہ زمیں ہے کسی او رجاں کی ٹو جس کو سمجھتا ہے فلک اپنے جہاں کا ☆☆☆

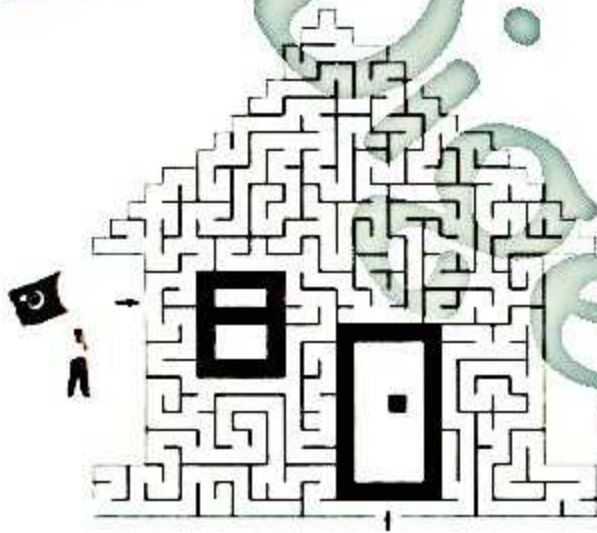
پاکستان میں رہنے والوں کو قتل کرنے پر غور کرو آزادی کی کتنی قیمت کی تھی پہرے داروں نے پھول



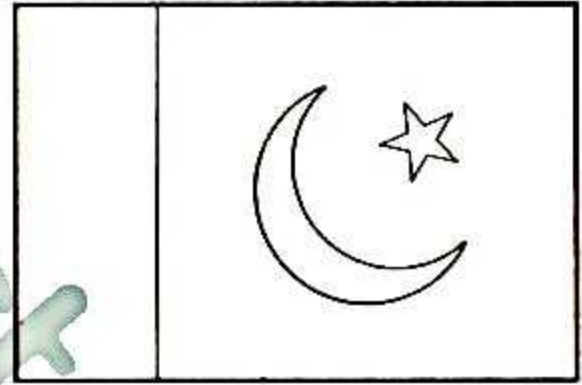
پہلے سے آپ کا اور شاعر انعام بھی آپ کا

اس تصویر کے حوالے سے زیر دست جملہ "پھول" میں شائع کردہ کوپن پر اپنے نام و پتے کے ساتھ لکھ کر 10 تاریخ تک بھجوائیں اور انعام پائیں

راستہ تلاش کریں



رنگ بھریے



دونوں تصویروں میں سات جگہ فرق ہے۔ ذرا ڈھونڈ کر تو بتائیے

